ستمبر ۲۰۰۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

بانی: ڈاکٹر اسرار احمدؒ

- پاکستان کیوں بنا — کیسے بنا؟
- پاکستان کیوں ٹوٹا — کیسے ٹوٹا؟
- اب ٹوٹا تو . . . .

پاکستان کی تاریخ کا حقیقت پسندانہ تجزیہ
اندھیروں میں اُمید کی ایک کرن
لفظ لفظ میں — وطن کی محبت
سطر سطر میں — اِیمان کی چاشنی
عمل کا پیغام . . . .

ڈاکٹر اسرار احمد

کی تالیف

"استحکامِ پاکستان"

سفید کاغذ' عمدہ طباعت' دیدہ زیب سرورق' صفحات 175
قیمت -/60 روپے

اس کتاب کا مطالعہ خود بھی کیجئے اور اسے زیادہ سے زیادہ عام کیجئے

شائع کردہ :
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
36۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور (فون : 03۔5869501)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد :	۴۹
شمارہ :	۹
جمادی الاخریٰ	۱۴۲۱ھ
ستمبر	۲۰۰۰ء
فی شمارہ	۱۰/-
سالانہ زر تعاون	۱۰۰/-

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

- امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا' نیوزی لینڈ — 22 ڈالر (800 روپے)
- سعودی عرب' کویت' بحرین' قطر' عرب امارات بھارت' بنگلہ دیش' افریقہ' ایشیا' یورپ' جاپان — 17 ڈالر (600 روپے)
- ایران' ترکی' اومان' مسقط' عراق' الجزائر' مصر — 10 ڈالر (400 روپے)

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت : 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700 فون : 03-02-5869501
فیکس : 5834000 ای میل : anjuman@brain.net.pk.

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی : 67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور
فون : 6316638-6366638 فیکس : 6305110

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن' طابع : رشید احمد چودھری مطبع : مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

☆ عرضِ احوال ___ ۳

حافظ عاکف سعید

☆ تذکرہ و تبصرہ ___ ۹

علامہ اقبال اور قائد اعظم کا تصورِ پاکستان :

سیکولر نیشن سٹیٹ یا خلافت راشدہ؟

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ توحیدِ عملی (۴) ___ ۵۷

فریضہ اقامت دین سے ربط و تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ رفتار کار ___ ۶۹

تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کا تربیتی و مشاورتی اجلاس

مرتب : عمر مظفر

☆ ظروف و احوال ___ ۷۹

ملکی، ملی اور بین الاقوامی حالات پر تبصرہ

امیر تنظیم اسلامی کے خطابات جمعہ کے پریس ریلیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ احوال

ع اِک دیا اور بجھا.....!
تنظیم اسلامی کے بزرگ ترین بانی رفیق کی رحلت!

امیر تنظیم اسلامی کے دیرینہ رفیق کار' تنظیم اسلامی کے بزرگ ترین رفیق اور میثاق کے ادارۂ تحریر کے سینئر ترین رکن شیخ جمیل الرحمٰن صاحب طویل علالت کے بعد سوموار ۲۸ اگست کو بوقت عصر کراچی میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ صاحب کی وفات پر فوری تاثر کے طور پر راقم السطور نے "ندائے خلافت" کے اداریئے کے طور پر جو تحریر سپرد قلم کی تھی' قارئین میثاق کی خدمت میں بھی پیش ہے۔

"شیخ صاحب مرحوم کی وفات سے تحریکی کتاب زندگی کا ایک درخشاں باب ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ وہ تنظیم اسلامی کے بانی ارکان میں سے تو تھے ہی' تنظیم کی فکری بنیادوں کو مضبوط کرنے اور اسے جماعتی شکل میں آرگنائز کرنے میں جن چند افراد نے فیصلہ کن کردار ادا کیا ان میں بھی نمایاں ترین نام بلاشبہ شیخ جمیل الرحمٰن صاحب ہی کا تھا۔ تنظیم کی تاسیس کے بعد ابتدائی ۱۵ سالوں میں انہیں محاورتاً نہیں' حقیقی معنوں میں امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے دست راست کی حیثیت حاصل تھی۔ اس عرصے کے دوران امیر تنظیم کے معتمد ترین مشیر کا درجہ بھی انہی کو حاصل رہا۔ بعد میں خرابی صحت اور مختلف عوارض کے باعث کہ جو بڑھاپے کا لازمہ ہوتے ہیں' انہیں لاہور چھوڑ کر واپس کراچی منتقل ہونا پڑا۔ کراچی منتقلی کے بعد بھی وہ اپنی پیرانہ سالی اور ناموافق صحت کے باوجود بھی سال گزشتہ تک اپنی بساط سے بڑھ کر نہ صرف تنظیمی کاموں میں حصہ لیتے رہے بلکہ کراچی میں انجمن خدام القرآن سندھ کی قائم کردہ "قرآن اکیڈمی" میں اہم انتظامی امور میں فنی و مشاورتی معاونت کی گرانقدر ذمہ داری بھی بھرپور طور پر نبھاتے رہے۔ تاہم اس عرصے کے دوران ان کی تحریکی سرگرمیوں کا دائرہ چونکہ شہر کراچی تک محدود ہو کر رہ گیا تھا لہٰذا ملک کے دیگر حصوں سے تعلق رکھنے والے رفقاء جو گزشتہ آٹھ دس برسوں کے دوران تنظیم میں شامل ہوئے' وہ ان

سے زیادہ متعارف نہیں تھے۔ تاہم تنظیم کے تمام پرانے ساتھی نہ صرف یہ کہ شخصی طور پر شیخ صاحب مرحوم سے بھرپور طور پر متعارف ہیں بلکہ تنظیم میں ان کی غیر معمولی خدمات اور ان کے مرتبہ و مقام سے بھی بخوبی آگاہ ہیں۔

شیخ صاحب مرحوم کو گزشتہ کم و بیش ۲۰ سالوں سے انجائنا یعنی عارضہ قلب کی شکایت تھی' تاہم انہوں نے اپنے اس عارضے کو کبھی تحریکی و دعوتی کاموں میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ گزشتہ ۳ سالوں کے دوران پے بہ پے صدمات جن میں بڑی صاحبزادی طاہرہ خاتون اور صاحبزادے خالد جمیل کی وفات کے صدمات بالخصوص قابل ذکر ہیں' اور ان کے عارضہ قلب میں اضافے کے باعث شیخ صاحب جسمانی طور پر بہت کمزور ہو گئے تھے اور گزشتہ کم و بیش ایک سال سے مسلسل بسترعلالت پر تھے۔ آج سے قریباً چار ماہ قبل راقم کے نام اپنے ایک خط میں انہوں نے صاف لفظوں میں یہ لکھ دیا تھا کہ وہ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ بسترعلالت پر نہیں بسترمرگ پر ہیں اور موت کے استقبال کے لئے ذہناً پورے طور پر تیار ہیں۔ اگرچہ دو ماہ قبل ان کی طبیعت قدرے سنبھل گئی تھی اور صحت کی بحالی کے مدھم سے امکانات پیدا ہو چلے تھے لیکن افسوس کہ طبیعت کا یہ سنبھالا عارضی ثابت ہوا اور انہوں نے داعیٔ اجل کو لبیک کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اور یوں "عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا" کے مصداق شیخ جمیل الرحمٰن صاحب ایک بھرپور اور ہنگامہ خیز زندگی جس پر ایک نہایت فعال تحریکی رنگ غالب تھا' گزارنے کے بعد قریباً ۸۵ برس کی عمر میں شہرخموشاں میں جا آباد ہوئے۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ وادخلہ فی رحمتک وحاسبہ حسابا یسیراً۔

شیخ صاحب مرحوم و مغفور کی شخصیت رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر غلبہ و اقامت دین اور قیام نظام خلافت کی جدوجہد کو مقصد حیات بنانے والے خادمانِ دین کے لئے بہت سے اعتبارات سے ایک روشن مثال کا درجہ رکھتی ہے۔ وہ ایک تحریکی مزاج رکھنے والے' صاحب بصیرت اور اصول پسند انسان تھے جن کی پوری زندگی محنت اور جدوجہد سے عبارت تھی۔ ان کا تعلق سوداگران دہلی کے ایک معزز گھرانے سے تھا۔ ان کی پرورش ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جہاں روایتی شرافت اور وضع داری کے ساتھ ساتھ دین و مذہب کی جڑیں بھی بہت گہری تھیں۔ ان کے والد سنی العقیدہ مسلمان تھے اور والدہ کا تعلق اہلحدیث مسلک کے ایک نہایت اونچے علمی گھرانے سے تھا۔ مسالک کا یہ امتزاج بچپن ہی سے فقہی معاملات میں ان

کے قلب و نظر کی وسعت کا موجب بنا ـــــ شیخ جمیل الرحمٰن صاحب کی ابتدائی تعلیم دہلی کی مشہور درس گاہ جامعہ ملیہ میں ہوئی جہاں انشاپردازی میں انہیں مولانا ابوالکلام آزاد جیسے نابغہ عصر سے بھی براہ راست استفادے کا موقع ملا ـــــ شیخ صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی عملی زندگی میں قدم رکھا تو ابتداء میں خاندانی روایات سے بغاوت کرتے ہوئے "الجمیل" کے نام سے ایک فلمی جریدے کا اجراء کیا جس میں روزنامہ جنگ کے بانی میر خلیل الرحمٰن مرحوم بھی ان کے ساتھ بطور معاون شریک تھے' لیکن خاندانی شرافت اور بچپن میں والدین سے ملنے والی دینی و اخلاقی تربیت نے بہت جلد اثر دکھایا اور بزرگوں کے سمجھانے پر انہوں نے کمال سعادت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے فلمی صحافتی لائن کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا اور حصول معاش کے لئے تجارت کو بطور پیشہ اختیار کر لیا ـــــ بعد ازاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تحریروں سے متاثر ہو کر جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی اور بہت جلد اپنی فعالیت اور فکری پختگی کی بنا پر نمایاں مقام حاصل کر لیا ـــــ قیام پاکستان کے بعد کراچی منتقل ہو کر وہ ایک طویل عرصہ جمعیت سوداگران دہلی کے دفتر میں آفس سیکرٹری کے طور پر کام کرتے رہے اور یہاں بھی انہوں نے اپنی اعلیٰ فنی و انتظامی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔

تحریکی فکر کو انہوں نے علیٰ وجہ البصیرت قبول کیا تھا۔ چنانچہ تحریکیت ان کے مزاج کا حصہ بن گئی اور تحریکی فکر ان کے دل و دماغ میں سرایت کر گئی ـــــ تاہم وہ کسی بھی درجے میں اندھے بہرے مقلد نہیں تھے بلکہ ایک کھلا ذہن رکھنے والے اور مسلسل غور و فکر کرتے رہنے والے باشعور اور ہوشمند انسان تھے۔ جماعت اسلامی کے ۱۹۵۷ء کے سانحہ ماچھی گوٹھ کے بعد کہ جس میں امیر تنظیم اسلامی' محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے جو اُن دنوں جماعت اسلامی منٹگمری کے امیر تھے' اپنا مفصل اختلافی بیان مولانا مودودی مرحوم کی موجودگی میں پیش کیا تھا' جماعت کے بہت سے دیگر کارکنوں کے ساتھ شیخ جمیل الرحمٰن نے بھی جماعت سے علیحدگی اختیار کر لی ـــــ تاہم "جو اشکوں نے بھڑکائی ہے اُس آگ کو ٹھنڈا کون کرے" کے مصداق جماعتی فکر اور تحریکی جذبے نے انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ چنانچہ ۱۹۶۷ء میں جب محترم ڈاکٹر صاحب کی کوششوں سے جماعت اسلامی سے علیحدہ ہونے والے بعض اکابر نے مل جل کر تنظیم اسلامی کے قیام کی پہلی کوشش کی تو اس موقع پر بھی شیخ صاحب مرحوم پیش پیش تھے۔ اس کوشش میں ناکامی کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنے طور پر دعوتی و تحریکی کام کا

بیڑا اٹھانے کا فیصلہ کیا اور آغاز کار کے طور پر لاہور شہر میں درس قرآن کے متعدد حلقے قائم کئے تو غالباً ۱۹۷۰ء میں شیخ صاحب مرحوم اپنے تین عزیز دوستوں (بھائی عبدالخالق چاندنہ' حکیم سلطان احمد اور جناب محمد یوسف باڑی) کے ہمراہ محترم ڈاکٹر صاحب کے کام کا جائزہ لینے اور اس ضمن میں تبادلہ خیال کرنے کے لئے بطور خاص لاہور تشریف لائے اور تین چار روز والد محترم' ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ کرشن نگر میں واقع ان کی رہائش گاہ میں قیام کیا۔ بعد ازاں ۱۹۷۲ء میں مسجد خضریٰ لاہور میں منعقد ہونے والی قرآنی تربیت گاہ میں شرکت کیلئے بطور خاص لاہور کا سفر کیا۔ شیخ صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ لاہور کی ایک نواحی بستی ڈھولن وال کی مسجد میں محترم ڈاکٹر صاحب کے سورۂ تغابن کے درس نے انہیں اپنی زندگی کا سب سے اہم فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے اس تحریکی سفر میں محترم ڈاکٹر صاحب کا بھرپور ساتھ دینے اور بہت سے اعتبارات سے سینئر ہونے کے باوجود اپنے سے کم عمر ڈاکٹر اسرار کو اپنا دینی و تحریکی رہنما تسلیم کرکے ان کے معاون کے طور پر کام کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ـــــ اور واقعہ یہ ہے کہ اس کے بعد وہ آئے تو کشتیاں جلا کر آئے۔ بقول شاعر ''جس ڈھب سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے''۔ ۱۹۷۵ء میں وہ تنظیم کے تاسیسی اجتماع میں شریک ہوئے اور پھر انہوں نے اپنی صلاحیتیں اور اوقات تنظیمی کاموں کیلئے وقف کر دیئے اور وہ فی الواقع فیض کے ان اشعار کی مجسم تصویر بن گئے کہ ؎

واپس نہیں پھیرا کوئی فرمان جنوں کا
تنہا نہیں لوٹی کبھی آواز جرس کی
خیریت جاں ' راحت تن ' صحت داماں
سب بھول گئیں مصلحتیں اہل ہوس کی!

عمر میں بڑے ہونے کے باوجود انہوں نے بیعت کے تقاضوں کو کچھ اس طور پر نبھایا کہ ایک مثالی ''مامور'' کا قابل تقلید نمونہ بن گئے۔ وہ اپنے امیر کا احترام ہی نہیں کرتے تھے ان سے شدید محبت بھی رکھتے تھے۔ تاہم وہ مشورہ دینے میں کبھی بخل سے کام نہ لیتے اور اپنی رائے کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر کھل کر بیان کرتے۔ بہت سے مواقع پر امیر محترم اپنی کوئی حساس تحریر اشاعت سے قبل انہیں برائے مطالعہ بھیجتے اور ان کے مشوروں کو قبول کرتے ہوئے اس میں مناسب رد و بدل فرما دیا کرتے تھے۔ وہ امیر تنظیم کے لئے ایک ایسے بزرگ

اور مشیر خاص کا درجہ رکھتے تھے جن کے خلوص و اخلاص اور اصابت رائے پر امیر تنظیم کو غیر معمولی اعتماد تھا۔

شیخ صاحب مرحوم کے گھریلو حالات اگرچہ موافق نہ تھے اور ان کی دو بیویوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی کراچی سے لاہور منتقل ہونا ممکن نہ تھا' تاہم انہوں نے امیر محترم کے حکم پر ۱۹۷۷ء میں کراچی سے لاہور ہجرت کی اور پھر مسلسل ۱۵ برس سائے کی طرح امیر محترم کے ساتھ رہے اور تنظیم کی فکری اور تنظیمی و انتظامی بنیادوں کو استوار کرنے میں شب و روز امیر تنظیم کے معاون کار اور دست راست کے طور پر کام کیا۔ وہ فکری و نظری اعتبار سے تنظیم میں نہایت بلند مقام رکھنے کے باوجود ایک انتھک ورکر بھی تھے۔ فکر و عمل کا یہ امتزاج کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔

شیخ صاحب مرحوم کی اہم ترین تحریکی خدمت تنظیم کے تحریکی لٹریچر کی تیاری ہے۔ امیر تنظیم کے دروس و خطابات کو جس والہانہ شوق سے وہ تحریری صورت میں مرتب کرتے اور بلا تکان مسلسل گھنٹوں کام کئے چلے جاتے اس کی کوئی دوسری مثال پیش کرنا ناممکن ہے ___ تنظیم کا فکری و تحریکی لٹریچر بہت حد تک انہی کی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ امیر محترم کی تصانیف تو انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں' تحریکی لٹریچر کا بڑا حصہ امیر محترم کے دروس و خطابات پر مشتمل ہے' جس کے ایک قابل قدر حصے کو شیخ صاحب نے تحریری انداز میں مرتب کرکے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا اہتمام کیا۔ مرحوم کے قیام لاہور کے دوران ماہنامہ "میثاق" کی تمامتر ادارتی ذمہ داری بھی انہی کے کاندھوں پر تھی جسے انہوں نے عمدگی اور تسلسل کے ساتھ نبھایا۔ مرحوم کی کاوشوں سے تنظیم اسلامی کا جو دعوتی و تحریکی لٹریچر وجود میں آیا اس میں سے مطالباتِ دین' نبی اکرم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں' شہید مظلومؓ اور منہج انقلاب نبوی پر انہیں خصوصی طور پر ناز تھا اور مؤخر الذکر دو کتابوں کو بالخصوص وہ اپنی کاوشوں کا شاہکار شمار کرتے تھے۔

مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ تحریکی فکر مجھے مولانا مودودی مرحوم سے ملا اور قرآن سے تعلق محترم ڈاکٹر صاحب کی بدولت حاصل ہوا اور ان دونوں چیزوں یعنی تحریکی فکر اور تعلق بالقرآن کو فی الواقع ان کی زندگی میں عزیز ترین متاع کا درجہ حاصل تھا۔ شیخ صاحب مرحوم کو قریب سے جاننے والے اعزہ و احباب اس امر کے گواہ ہیں کہ ان دونوں کے ساتھ ان کا گہرا

قلبی و ذہنی تعلق زندگی کے آخری سانس تک برقرار رہا۔ آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے!"○○

☆ ☆ ☆

شیخ جمیل الرحمٰن صاحب مرحوم ومغفور کا آخری مکتوب

جوانہوں نے "میثاق" کے نائب مدیر کے نام ارسال کیا

۱۶/ اگست ۲۰۰۰ء

مکرم و محترم جناب حافظ عاکف سعید صاحب دامت اقبالکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ بات میرے لئے نہایت مسرت انگیز ثابت ہوئی ہے کہ آپ "توحید عملی" کی کمپوزنگ کرا کر قسط وار میثاق میں شائع کرا رہے ہیں۔ اس کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امیر محترم کے کتنے جواہر ریزے آؤٹ آف پرنٹ ہیں۔

اس ضمن میں مَیں آپ کی توجہ اس طرف دلاؤں گا کہ حقیقت و اقسامِ شرک والے خطاب پر بھی نظر ثانی کر کے اسے بھی جلد شائع کرنے کی طرف توجہ دیجئے۔ اسی طور پر امیر محترم کا "داعی انقلاب" والا خطاب بھی آپ کی توجہ کا مستحق ہے۔

ندائے خلافت میں "بولیں اماں محمد علی کی' جان بیٹا خلافت پہ دے دو" میں نے اس مضمون کو ایک کتابی صورت میں شائع کرنے کی تجویز پیش کی تھی جو آپ نے اور امیر محترم نے منظور بھی کر لی تھی' یہ بات بھی آپ کی توجہ کی مستحق ہے۔

امیر محترم اور جملہ پرسانِ حال کی خدمت میں سلام مسنون پیش ہے۔ مزید برآں ربِّ کریم سے اُمید واثق ہے کہ گھر میں سب طرح خیریت ہو گی۔ سب کو میری طرف سے درجہ بدرجہ سلام و دعا ـــــ میری طبیعت کی کیفیت دھوپ چھاؤں کی طرح چل رہی ہے۔ آپ سے اس امر کی درخواست ہے کہ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان پر خاتمہ فرمائے ـــــ یہ خط میں نے اپنے پوتے (فرزند انور جمیل) سے لکھوایا ہے۔ والسلام

خاکسار
جمیل الرحمٰن

تذکرہ و تبصرہ

علّامہ اقبال اور قائدِ اعظم کا تصوّرِ پاکستان
سیکولر نیشن سٹیٹ یا خلافتِ راشدہ؟

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ
کا ۱۰/اگست ۲۰۰۰ء کو فورسیزن ہال لاہور میں خطاب

خطبہ ماثورہ اور ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

محترم حاضرین! آج کے اس اجتماع کے لئے جو دعوت نامہ آپ تک پہنچا ہے اس میں اس اجتماع کے انعقاد کا پس منظر بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے ملک میں قائم موجودہ حکومت کے ذمہ دار حضرات کی جانب سے گزشتہ دنوں وقتاً فوقتاً کچھ ایسے اشارات سامنے آئے ہیں کہ ان کے پیش نظر اس ملک کو ایک سیکولر ریاست بنانا مقصود ہے۔ اس پر اس ملک کے دینی عناصر فطری طور پر مضطرب اور پریشان ہوئے تو اس کے ردعمل کے طور پر ہمارے ہاں کے سیکولر مزاج دانشوروں نے پوری طرح کمر کس کے تلبیس کی پوری کوشش کی۔ وہ تلبیس کہ جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں روکا ہے۔ فرمایا :

﴿ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ ﴾

(البقرۃ : ۴۲)

"اور حق کو باطل کا لباس نہ پہناؤ اور حق کو جانتے بوجھتے نہ چھپاؤ"

اس اعتبار سے ہمارے ہاں کے انگلش اخبارات کے چوٹی کے کالم نویس مسٹر اردشیر کاؤس جی نے بہت زوردار مقالے لکھے۔ ان کے حوالے سے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ وہ چونکہ پارسی ہیں لہٰذا اسلامی ریاست کو پسند نہیں کریں گے، انہیں تو سیکولر سٹیٹ ہی راس آتی ہے، لیکن کچھ اور حضرات نے بھی اس موضوع کو چھیڑا، اور خاص طور پر

قائداعظم کی ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کے چند جملوں کی بنا پر ان لوگوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ قائداعظم اس ملک کو ایک سیکولر نیشن سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ یہ وہ جملے تھے کہ جن پر بنیاد اٹھا کر ایک موقع پر جسٹس منیر صاحب نے ایک پوری کتاب لکھ دی تھی۔ وہ چیف جسٹس آف پاکستان تھے اور غالباً قادیانی تھے۔ اسی لئے اینٹی قادیانی تحریک کا جو انکوائری کمیشن بنا تھا وہ اس کے سربراہ تھے' اور اس کمیشن میں شامل دوسرے جج صاحبان کی حیثیت گویا subordinate ججوں کی تھی۔ انہوں نے پوری کتاب لکھی تھی "From Jinnah to Zia"۔ گویا جناح کے پیش نظر پاکستان کو ایک سیکولر نیشن سٹیٹ بنانا تھا نہ کہ کوئی مسلمان اور مذہبی ریاست' یہ تو ضیاءالحق نے آکر معاملات کو غلط رُخ پر ڈال دیا ہے اور اسلام کی رٹ لگانا شروع کر دی ہے۔ قائداعظم کے وہی جملے ہیں کہ جنہیں اب یہ دانشور لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ اور شاید آپ کو یاد ہو کہ مارچ کے مہینے میں جب یہاں صدرِ امریکہ مسٹر کلنٹن آئے تھے تو انہوں نے بھی قائداعظم کے انہی جملوں کا حوالہ دیا تھا۔ بہرحال اس وقت اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی ہے کہ اس معاملے پر ذرا گہرائی میں اتر کر غور کیا جائے اور دلائل کے ساتھ' غیر جذباتی انداز سے' معروضی طور پر سمجھنے کی کوشش کی جائے کہ پاکستان کے قیام کا پس منظر کیا ہے' اور مشیت الٰہی میں جو دو شخصیتیں اس کے معرض وجود میں آنے کا ذریعہ بنی ہیں' یعنی علامہ اقبال اور قائداعظم' ان کے پیش نظر پاکستان کے لئے کیسا نظام حکومت تھا' یہاں پر وہ کس نظریئے اور کس نظامِ زندگی کا بول بالا چاہتے تھے' آج مجھے اسی سلسلے میں آپ سے گفتگو کرنی ہے۔

جہاں تک پاکستان کے قیام کا تعلق ہے تو ظاہر بات ہے کہ یہ ایک زبردست عوامی تحریک کے ذریعے معرضِ وجود میں آیا۔ کسی ایک یا دو یا چند افراد کی مساعی سے اتنی بڑی تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی۔ جبکہ آپ کے علم میں ہے کہ ہندو جیسی منظم' سرمایہ دار اور تعلیم یافتہ قوم پوری طرح پاکستان کے خلاف تھی کہ ہم کسی حال میں بھارت کے بٹوارے کو تسلیم نہیں کریں گے' ہمارے لئے تو یہ مقدس گائے ہے' گاؤ ماتا ہے' ہم اس کے ٹکڑے

ہرگز نہیں ہونے دیں گے۔ وہ قوم بہت منظم بھی تھی اور سرمایہ دار بھی۔ اس کے مقابلے میں مسلمانوں کی کوئی جمعیت نہیں تھی' وہ منتشر تھے' پیسہ بھی ان کے پاس کم تھا۔ اس کے باوجود ایک عوامی تحریک چلی ہے کہ جس کے نتیجے میں یہ ملک وجود میں آیا۔ یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ اگر پاکستان اس وقت بنتا جب کہ برطانیہ میں کنزرویٹو پارٹی کی حکومت ہوتی تو کہا جاسکتا تھا کہ اس کے قیام میں انگریزوں کی سیاست کو بھی دخل حاصل ہے۔ اس لئے کہ کنزرویٹو پارٹی کی پالیسی ہمیشہ "divide and rule" کی رہی تھی۔ یعنی یہاں اپنی حکومت کو برقرار رکھنے کے لئے لوگوں کو تقسیم کرو' آپس میں لڑاؤ بھڑاؤ اور حکومت کرو۔ اور یقیناً اُس زمانے میں مسلم لیگ کی کچھ نہ کچھ حوصلہ افزائی کنزرویٹو پارٹی کی طرف سے ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں کے ایک بہت بڑے سیاست دان ولی خان انڈیا آفس لائبریری سے اور پچھلے ریکارڈوں سے نکال کر بہت کچھ خطوط وغیرہ لاتے رہے ہیں' جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ انگریزوں نے مسلم لیگ کو سپورٹ کیا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب پاکستان قائم ہوا ہے تو اس وقت برطانیہ میں لیبر پارٹی کی حکومت تھی' جو کھلم کھلا کانگریس کی پشت پناہی کرتی تھی اور مسلم لیگ سے نفرت کرتی تھی۔ اس وقت کے برطانوی وزیراعظم لارڈ ایٹلی قائداعظم سے نفرت کرتے تھے۔ اور اس سے بڑھ کر معاملہ یہاں کے وائسرائے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کا تھا جو گاندھی کا کھلم کھلا چیلا بنا ہوا تھا اور نہرو فیملی کے ساتھ اس کے تعلقات کچھ نامناسب بھی بیان کئے جاتے ہیں کہ نہرو صاحب کے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کی بیوی ایڈوائنا کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ واللہ اعلم۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان وجود میں آیا۔

ظاہر بات ہے قیامِ پاکستان میں دو عوامل کار فرما تھے۔ ایک تو مشیت ایزدی' لیکن میں آج اس موضوع کی طرف نہیں جاؤں گا۔ مشیت ایزدی میں مستقبل کا کیا نقشہ اللہ تعالیٰ کے پیش نظر ہے' اللہ کی اپنی طویل المیعاد سکیمیں ہیں جن کے مطابق کائناتی سطح پر اللہ تعالیٰ کے فیصلے نافذ ہوتے ہیں۔ اس پر میں نے بارہا گفتگو کی ہے کہ پوری دنیا میں نظامِ خلافت کا قیام شدنی ہے' اٹل ہے' یقینی ہے' مشیت الٰہی میں طے شدہ ہے اور محمدﷺ رسول

اللہ ﷺ نے اس کی صریح پیشین گوئیاں فرمائی ہیں۔ اور یہ کہ اس کا نقطۂ آغاز جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں کوئی ملک بنے گا۔ مشرق میں افغانستان بھی ہے' پاکستان بھی اور ایران بھی۔ یہ تینوں ممالک جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں واقع ہیں۔ میں نے اس پر بہت تقریریں کی ہیں اور اسی نظریئے کے تحت ہم نے تحریک خلافت کا آغاز کیا۔ "خطبات خلافت" میں بھی اس کی پوری وضاحت موجود ہے اور "سابقہ اور موجودہ مسلمان اُمتوں کا ماضی' حال اور مستقبل" میں بھی اس کی پوری تفصیل موجود ہے لیکن آج میں اس کی تفصیل میں نہیں جارہا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی یہ ہے کہ جب تک لوگ اس دنیا میں کسی کام کے لئے محنت کا حق ادا نہ کردیں اُس وقت تک اللہ تعالیٰ اس کے نتیجے کو ظاہر نہیں کرتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو دین حق کے غلبے کے لئے مبعوث کیا تھا' لیکن ظاہربات یہ ہے کہ دین حق کا غلبہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جدوجہد سے ہوا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس جدوجہد میں بڑے بڑے کٹھن مرحلے آئے۔ شعب بنی ہاشم کی قید اور بائیکاٹ کا تصور کیجئے تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ یوم طائف بھی آپ ﷺ کی زندگی میں آیا' غارِ ثور بھی آیا' غزوۂ بدر اور اُحد بھی آیا ہے۔ خود آنحضور ﷺ کا خون طائف کی گلیوں میں بھی جذب ہوا ہے اور دامن احد کے اندر بھی۔ اس جدوجہد میں تقریباً ۲۵۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جامِ شہادت نوش کیا ہے۔ یہ ساری مشقتیں جھیل کر اسلام قائم ہوا ہے۔

گویا عالم مادی میں انسانی سطح پر جدوجہد' محنت' مشقت اور اس کے ساتھ اللہ کی مشیت' اس کی حکمت اور فیصلہ' جب یہ دونوں چیزیں باہم مل جاتی ہیں تب کوئی چیز عالم واقعہ میں ظہورپذیر ہوتی ہے۔ چنانچہ پاکستان یونہی قائم نہیں ہوگیا' بلکہ زبردست عوامی تحریک کے نتیجے میں قائم ہوا ہے جس میں لاکھوں لوگوں نے کام کیا ہے' بڑوں نے بھی کیا' چھوٹوں نے بھی کیا۔ مَیں خود اس وقت چودہ پندرہ برس کا نوجوان تھا' ہائی سکول کا طالب علم تھا' مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن ضلع حصار کا جنرل سیکرٹری تھا. ہم نے تحریک پاکستان میں خوب بھاگ دوڑ کی۔ میں ضلع حصار کے دیہاتوں کے دورے کرکے طلبہ کو متحرک کرتا

تھا۔ ہم جمعہ اور عیدین کے اجتماعات میں' خاص طور پر جمعۃ الوداع کے اجتماعات میں دعائیں مانگا کرتے تھے۔ "نوائے وقت" اُن دنوں تحریک پاکستان اور تحریک مسلم لیگ کا نقیب تھا۔ ہم ریلوے اسٹیشن پر منتظر رہا کرتے تھے کہ کب نوائے وقت کا بنڈل آئے اور ہم اس کو لے کر پورے شہر میں گھوم جائیں۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ' اسلامیہ کالج لاہور' اسلامیہ کالج پشاور اور نہ جانے کتنے ادارے تھے جہاں کے نوجوانوں نے دن رات ایک کئے اور ۱۹۴۶ء میں پوری قوم مسلم لیگ کے جھنڈے تلے اس طرح جمع ہو گئی کہ الیکشن میں مسلم لیگ کو مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ ظاہر بات ہے کہ اتنا عظیم کام عوامی تحریک کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا' چند لوگوں کی خواہش سے نہیں ہو سکتا تھا' چند لوگوں کی مساعی سے بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ تو یہ یقیناً ایک بڑی عظیم تحریک تھی۔ تاہم اس میں بعض افراد کا اہم حصہ بھی ہے۔

علّامہ اقبال اور قائداعظم ——ایک تقابل

میں آپ کو علامہ اقبال کے دو اشعار سنا رہا ہوں' جن میں ایک متضاد بات سامنے آتی ہے۔ ایک تو یہ کہ ؎

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

یعنی فرد کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی' وہ تو ایک قوم اور عوامی تحریک کے ریلے کے اندر ایک موج کی مانند ہے' اور موج کی حیثیت تو دریا کے اندر ہی ہوتی ہے' دریا کے باہر تو اسکی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ لیکن دوسری طرف اقبال نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملّت کے مقدّر کا ستارا!

ہر فرد تو قوم کے مقدر کا ستارہ ہو یا نہ ہو لیکن کچھ شخصیات ضرور ایسی ہوتی ہیں کہ جو پوری قوم کے مقدر کا ستارہ بنتی ہیں اور ان کی تقدیر اور مستقبل کو تبدیل کر دیتی ہیں۔ تو

یہ جان لیجئے کہ دو عظیم شخصیات جن کی جد و جہد اور جن کے خیالات اور نظریات کے نتیجے میں عوامی تحریک ظاہر ہوئی اور پھر اس تحریک کے نتیجے میں پاکستان وجود میں آیا' وہ علامہ اقبال اور قائداعظم ہیں۔ میرے نزدیک عالم واقعہ میں تحریک مسلم لیگ کے عوامی شکل اختیار کرنے اور پھر پاکستان کے قیام میں ان دو شخصیتوں کا فیصلہ کن دخل ہے۔ اب آپ ذرا اس کا تجزیہ کیجئے اور غور کیجئے! میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں شخصیات میں ایک تقابل آپ کے سامنے آجائے۔

پہلی بات تو یہ کہ دونوں ہم عصر بھی ہیں اور تقریباً ہم عمر بھی۔ جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے اور علامہ اقبال ۱۱/ نومبر ۱۸۷۷ء کو۔ گویا علامہ اقبال قائداعظم سے ایک سال چھوٹے تھے۔ پھر یہ کہ دونوں مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس میں شریک نہیں تھے۔ مسلم لیگ کی تاسیس ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں ہوئی۔ اُس وقت علامہ اقبال انگلستان میں تھے۔ وہ اپنی پی ایچ ڈی اور بار ایٹ لاء کی تعلیم کے لئے ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک ملک سے باہر تھے۔ قائداعظم بھی اُس وقت مسلم لیگ کے بجائے کانگریس کے ساتھ کام کر رہے تھے۔ چنانچہ اس بات کو نوٹ کر لیجئے کہ ۱۹۰۶ء میں قائداعظم کانگریس میں شامل ہوئے' مسلم لیگ میں نہیں۔ اور اُس وقت کے کانگریس کے جو صدر رہتے' دادا بھائی نوروجی' قائداعظم ان کے سیکرٹری کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ یہ تو ۱۹۱۳ء میں ہوا کہ اس وقت مسجد کانپور کی شہادت کا جو واقعہ ہوا تھا اور اس پر جو بہت بڑا ہنگامہ اٹھا تھا تو اس کے سلسلے میں انگلینڈ میں اجلاس ہو رہا تھا' محمد علی جوہر اس اجلاس میں شرکت کے لئے انگلستان گئے ہوئے تھے کہ وہاں پر انہوں نے قائداعظم کو مسلم لیگ میں شامل ہونے پر آمادہ کیا۔

تیسری بات یہ کہ دونوں ہی شروع سے کچھ نیشنلسٹ قسم کے آدمی تھے۔ علامہ اقبال کا جو شاعری کا ابتدائی دَور ہے' جس میں وہ ایک نوخیز شاعر کی صورت میں سامنے آئے' اس وقت ان کی شاعری کے موضوعات بھی وہی تھے جو عام طور پر شاعروں کے ہوا کرتے ہیں' یعنی گل و بلبل کے افسانے' ہجر و وصال اور عشق و محبت کی داستانیں' لیکن اسی زمانے میں انہوں نے "ترانہ ہندی" کہا :

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا!

اور ؂

آ اِک نیا شوالہ اس دیس میں بسائیں

برہمن سے خطاب کرکے کہا کہ آؤ یہاں ہم ایک نیا مسلک قائم کریں کہ جس میں ہندو مسلم ایک ہوں۔ تو علامہ اقبال پر بھی یہ دَور آیا ہے' لیکن وہ بہت مختصر دَور تھا۔ اس کے بعد علامہ اقبال کے خیالات و نظریات میں تبدیلی یورپ جاکر ہوئی ہے۔ علامہ اقبال خود کہتے ہیں کہ ؏ "مسلمان کو مسلماں کردیا طوفانِ مغرب نے!" علامہ اقبال جو ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک انگلستان اور جرمنی میں رہے ہیں تو یہ دَور اُن کی transformation کا ہے۔ اب وہ ایک عام شاعر کی بجائے قافلہ ملی کے حدی خوان نظر آتے ہیں۔ ملت اسلامیہ اور امت مسلمہ کی عظمت رفتہ کی بازیابی اور اسلام کے غلبہ واحیاء کا جذبہ اُن کے اندر وہاں جاکر پیدا ہوا۔

یہ آج بھی نظر آتا ہے کہ ہمارے بہت سے نوجوان جب تک یہاں پر ہوتے ہیں ان کا دین سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا' جبکہ ان کے والدین کی طرف سے ان کی ابتدائی تربیت میں دین موجود ہوتا ہے' لیکن امریکہ جاکر یہ دینی جذبہ پوری شدت کے ساتھ ابھرتا ہے۔ میں ۷۰ء میں پہلی مرتبہ انگلستان گیا تھا تو وہاں یہ phenomenon دیکھ کر آیا تھا۔ اور آج بھی آپ برطانیہ اور امریکہ میں جاکر دیکھیں کہ جو لوگ کبھی یہاں سے گئے تھے' اور جن کو امریکہ میں First generation immigrants کہتے ہیں' وہ اکثر و بیشتر تعلیم کے لئے گئے تھے اور پھر وہیں سیٹ ہو گئے' لیکن ان کے اندر اگر والدین کی طرف سے کچھ مذہبی جذبات تھے تو وہ وہاں جاکر اس طرح بھڑکے کہ انہوں نے پہلے وہاں مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن (M.S.A) قائم کی' پھر اسی کے نتیجے میں اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) وجود میں آئی۔ اب تو وہاں لمبی لمبی داڑھیوں والے نوجوان نظر آئے ہیں جن کی اسلامی مقاصد سے بڑی گہری وابستگی ہے اور ان کا اسلام کے ساتھ

تعلق بڑا مضبوط ہے۔ یہی معاملہ علامہ اقبال کے ساتھ پیش آیا کہ ؎ "نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی!"

میرے نزدیک علامہ اقبال کی زندگی میں جو بڑا موڑ آیا ہے وہ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک انگلستان میں قیام کے دوران آیا ہے' لیکن اس کے بعد کی پوری زندگی یعنی تیس برس پوری یک رنگی اور یکسانی ہے۔ وہ امت مسلمہ کی وحدت کے سب سے بڑے نقیب اور حُدی خوان ہیں' وحدتِ ملی کے سب سے بڑے پرچارک جمال الدین افغانی کے بعد اس ضمن میں سب سے بڑی شخصیت علامہ اقبال کی ہے۔ اور پھر یہ کہ اسلام کے احیاء کی جو اُمید انہوں نے دلائی وہ کسی اور کے ہاں نظر نہیں آتی ؎

کتابِ ملّتِ بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخِ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا
نوا پیرا ہو اے بلبل کہ ہو تیرے ترنم سے
کبوتر کے تنِ نازک میں شاہیں کا جگر پیدا!

اور

سبق پھر پڑھ صداقت کا' عدالت کا' شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا!

ان اشعار میں اقبال مسلمان نوجوانوں کو ایک مثبت پیغام دے رہے ہیں اور اُن کے اندر یہ جذبہ اُبھار رہے ہیں۔ پھر انہوں نے مستقبل کی پیشین گوئیاں بھی کی ہیں ؎

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب!

جب وہ سپین میں تھے تو احیاء اسلام اور غلبہ اسلام کے خواب دیکھ رہے تھے۔ وہ خواب پھر بالِ جبریل کی اس نظم میں واضح طور پر سامنے آتا ہے کہ ؎

آسماں ہو گا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی!

پھر دلوں کو یاد آ جائے گا پیغامِ سجود
پھر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!

نغمۂ توحید سے یہ دنیا پوری طرح جگمگا اٹھے گی' اور یہ معاملہ بہرحال ہو کر رہے گا۔ پھر اس ضمن میں خاص طور پر یہ جو وادیٔ سندھ ہے اس کو ایک بہت اہم کردار ادا کرنا ہے۔ ؎

خضرِ وقت از خلوتِ دشتِ حجاز آید بروں
کارواں زیں وادیٔ دُور و دراز آید بروں!

اس شعر میں ان احادیث کی طرف اشارہ ہے جن میں آتا ہے کہ عرب میں ایک عظیم لیڈر کا ظہور ہو گا' جنہیں ہم حضرت مہدی کہتے ہیں۔ وہ مجدد ہوں گے جیسے اور مجددینِ اُمّت پیدا ہوئے ہیں۔ ہر صدی کا ایک مجدد ہوتا ہے' ہو سکتا ہے کہ وہ اسی پندرھویں صدی کے مجدد ہوں۔ واللہ اعلم۔ ان کی مدد کے لئے فوجیں یہاں سے جائیں گی۔ یہ بھی حضور ﷺ کی حدیث میں مذکور ہے: یخرج ناسٌ من المشرق فیوطئون للمھدی یعنی سلطانہ "مشرق سے فوجیں آئیں گی جو کہ مہدی کی حکومت کو قائم کریں گی۔" اور یہی بات علامہ اقبال کہہ رہے ہیں۔ "خضرِ وقت از خلوتِ دشت حجاز آید بروں" یعنی حجاز میں مہدی کا ظہور ہو گا۔ اگلے مصرعے میں ہے کہ ان کی مدد کے لئے فوجیں اس دُور دراز وادی سے چلیں گی۔ "کارواں زیں وادیٔ دُور و دراز آید بروں" یعنی یہ وادیٔ سندھ جس کا ایک حصہ پاکستان میں اور ایک افغانستان میں ہے' یہاں سے قافلے برآمد ہوں گے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ جیسے دریائے ستلج' بیاس' راوی' چناب' جہلم' یہ سارے دریائے سندھ میں گر رہے ہیں اسی طرح متعدد دوسرے دریا مثلاً دریائے گومل' دریائے کابل اور دریائے ٹوچی بھی دریائے سندھ میں گر رہے ہیں۔ افغانستان کے مشرق کا جتنا

بھی ڈھلوان یعنی پہاڑی علاقہ ہے اس کا سارا پانی دریائے سندھ میں گرتا ہے۔ تو یہ وادیٔ سندھ دو طرف سے ہے۔ ایک تو یہ جو اس وقت ہمارا پاکستان ہے اور دوسری طرف افغانستان کا ملحق علاقہ' یہاں سے وہ کاروان چلے گا۔ اس اعتبار سے علامہ اقبال کا معاملہ ۱۹۰۸ء سے یہ ہوا کہ احیائے دین یعنی دین اسلام کے دنیا میں دوبارہ زندہ ہونے کی پیشین گوئی و خوشخبری اور ملت کا اتحاد' یہ ان کی شاعری کے بنیادی موضوعات بن گئے۔ چنانچہ بیسویں صدی میں دنیا میں مسلم اُمہ کے اتحاد کے سب سے بڑے نقیب اور احیائے دین کے سب سے بڑے داعی علامہ اقبال تھے۔ اس حوالے سے دیکھئے' فرماتے ہیں ؎

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

ترکی میں خلافت کا نظام جب ختم ہوا تو کس قدر دکھ کے ساتھ کہا کہ ؎

چاک کر دی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ' اوروں کی عیّاری بھی دیکھ!

یعنی یہ سارا کام کروایا یہودیوں نے اور صیہونیت نے' لیکن یہ کہ مصطفیٰ کمال ان کی عیاری میں آگیا۔ جیسے کہ عراق کا صدر صدّام گلاسپائی کے بھرے میں آگیا تھا جو وہاں اُس وقت امریکہ کی سفیر تھی۔ اسی طرح صیہونیت کے چکر میں آکر مصطفیٰ کمال نے خلافت ختم کردی۔ علامہ اقبال کہتے ہیں۔ ؎

لادینی و لاطینی کس پیچ میں الجھا تو؟
دارو ہے غلاموں کا لا غالب اِلاّ ھو!

ترکی کا دستور جس چیز کو سب سے زیادہ تحفظ فراہم کرتا ہے وہ وہاں کا سیکولرزم یعنی لادینیت ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں کہ قوموں کا عروج سیکولر نظام اپنانے سے نہیں ہوتا۔ اصل میں عروج تو اس بات میں ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غالب نہیں ہے' یعنی حاکمیت مطلقہ اللہ کی ہے۔ اِنِ الۡحُکۡمُ اِلاَّ لِلّٰہِ اور لَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖ اَحَدًا۔ یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن سے گری ہوئی اور پامال قومیں بامِ عروج پر پہنچ سکتی ہیں۔

اس اعتبار سے علامہ اقبال کا ۱۹۳۰ء کا خطبہ ایک بہت بڑا لینڈ مارک ہے۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اُس وقت مسلم لیگ کو قائم ہوئے ۲۴ برس گزر چکے تھے' لیکن مسلم لیگ کی حیثیت ابھی تک کسی عوامی جماعت کی نہیں تھی۔ بڑے بڑے زمیندار' نواب اور جاگیردار لوگ تھے کہ جو مسلم لیگ کو چلا رہے تھے۔ اور مسلم لیگ کا اس وقت تک طرزِ عمل محض دفاعی تھا۔ ہندوستان کے ایک وائسرائے نے کہا تھا "Will you begoverned by the sword or by the pen" تو اب انگریز تلوار کے بجائے قلم سے حکومت کر رہا تھا اور اس میں مقامی لوگوں کو بھی شریک کیا جا رہا تھا' ان کے حقوق کی بات بھی ہو رہی تھی۔ چنانچہ پہلے انہیں میونسپل کمیٹیوں میں شریک کیا گیا' پھر صوبائی وزارتیں بنیں اور ان میں کچھ نہ کچھ حصہ مقامی قومیتوں کا رکھا گیا۔ تو مسلم لیگ کے پیش نظر اُس وقت مسلمانوں کے حقوق کو محفوظ کرنے کی کوشش تھی' اس لئے کہ مسلمان ہندوؤں سے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ لہٰذا اب بڑے تعلیمی اداروں میں کسی مسلمان کا داخلہ بہت مشکل تھا۔ یہاں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج میں کسی مسلمان کا داخلہ آسان نہیں تھا۔ ہندو تعلیم کے میدان میں آگے تھے۔ لہٰذا مسلمان کا داخلہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح یونیورسٹیوں میں بھی مسلمان داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے کوٹہ سسٹم منظور کرایا گیا۔ چنانچہ پنجاب میں کوٹہ سسٹم آیا کہ مسلمان اگر یہاں تعداد میں ۵۶ فیصد ہیں تو پھر اُن کو داخلہ بھی اسی تناسب ملنا چاہئے۔ تو گویا ہندو زیادہ نمبر والا رہ جاتا تھا اور مسلمان کم نمبر والا داخل ہو جاتا تھا۔ یہ سارے کام مسلم لیگ کر رہی تھی کہ وائسرائے اور حکومت سے مل کر کسی طرح مسلمانوں کے حقوق کو محفوظ کیا جائے' اور یہ جو ہندوؤں کا غلبہ ہے اس کی وجہ سے ایسا نہ ہو جائے کہ مسلمان ہر میدان میں پیچھے رہ جائیں۔

سرسید احمد خان نے جو تحریک شروع کی تھی اس سے پیش نظر یہی تھا کہ مسلمان اگر انگریزی نہیں پڑھیں گے تو وہ پلے دار یا گوشت فروش قصائی رہ جائیں گے' یا چمڑے کا کاروبار ان کے پاس رہ جائے گا' باقی مسلمانوں کی کوئی حیثیت نہیں رہے گی۔ چنانچہ

انہوں نے کوشش کی، پہلے علی گڑھ میں اینگلو اورینٹل سکول قائم کیا' پھر وہی کالج اور پھر ۱۹۲۰ء میں یونیورسٹی بنا۔ اس کے نتیجے میں مسلمانوں میں ایک نئی بیداری پیدا ہوئی۔ لیکن اس سب کا حاصل یہ تھا کہ ہمیں بھی یہاں ہندوؤں کے اگر برابر نہیں تو کم از کم عددی حیثیت کے تناسب سے حقوق ملیں۔ یہ ساری کی ساری دفاعی سکیم تھی کہ کہیں ہندو غالب نہ آجائے اور ہمارے تشخص کو ختم نہ کردے' ہماری زبان کو نہ بگاڑ دے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کہیں ہمیں ہندو نہ بنالے' کیونکہ شدھی کی تحریک شروع ہو گئی تھی کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان تو اصل میں ہندو ہی تھے' ان کے آباء و اجداد ہندوؤں سے مسلمان ہو گئے تھے' لہٰذا انہیں دوبارہ ہندو کیا جائے۔ پھر اسی شدھی کی تحریک کے ردّ عمل کے طور پر ہمارے ہاں تبلیغی جماعت کی تحریک شروع ہوئی تھی۔ اور اس کا طریقہ کار اسی لئے انتہائی سادہ رکھا گیا تھا' کیونکہ دیہاتیوں کو لمبا چوڑا فلسفہ تو پڑھانا نہیں تھا' بس انہیں کلمہ یاد کراؤ' نماز سکھاؤ' مسجدوں کو آباد کرو۔ یہ کام انہوں نے کیا ہے' اور شدھی کی تحریک کے آگے بند باندھا ہے' ورنہ دہلی کے گردونواح میں مسلمان بڑی تیزی کے ساتھ دوبارہ ہندو ہو رہے تھے۔ میو قوم بڑی تیزی کے ساتھ واپس ہندومت کی طرف جا رہی تھی۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کئی تحریکیں سرگرم عمل ہو گئی تھیں۔ شدھی کی تحریک' سنگھٹن کی تحریک' آریہ سماج کی تحریک' ہندو مہا سبھا اور آر ایس ایس یہ ساری اس چکر میں تھیں کہ مسلمانوں کو ہم reclaim کرلیں اور اسلام کا نام و نشان ہندوستان سے مٹا دیں' یا انہیں اتنا دبا کر رکھیں کہ وہ شودروں کی طرح ہمارے کمی کاری ہو کر رہ جائیں' اس کے سوا اُن کی کوئی حیثیت نہ رہے۔ یہ خوف تھا اور یہ کشمکش تھی کہ جس میں مسلم لیگ نے وائسرائے سے اپنے کچھ حقوق منوائے۔

ان حالات میں علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں ایک انجکشن دیا۔ جیسے آپ نے دیکھا ہو گا کہ مریض ہسپتال میں لیٹا ہوا ہے اور اسے گلوکوز کی بوتل لگی ہوئی ہے' اسے انجکشن دینا ہوتا ہے تو اسی ٹیوب کے اندر انجکشن لگا دیا جاتا ہے اور اسی ٹیوب کے ساتھ انجکشن کی دوائی بھی جسم میں چلی جاتی ہے۔ علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے

اجلاس میں جو خطبہ صدارت ارشاد فرمایا یہ مسلم لیگ کی تاریخ میں بہت بڑا Turning Point ہے۔ انہوں نے پہلی دفعہ یہ کہا کہ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ "یہ تقدیر مبرم (destiny) ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گی"۔ اسی وجہ سے میں نے علامہ اقبال کے لئے مصور پاکستان اور مفکر پاکستان کے ساتھ ایک تیسرے لفظ "مبشر پاکستان" کا اضافہ بھی کیا ہے۔ یہ بشارت انہوں نے دی' اگرچہ اس میں آگے چل کر مطالبے کے الفاظ بھی آئے ہیں' اور قائداعظم نے بھی علامہ اقبال کے لئے "seer" کے الفاظ استعمال کئے ہیں کہ وہ مستقبل میں پیش آنے والے حالات کو دیکھنے والے تھے ؎

کھول کر آنکھیں مرے آئینہ افکار میں
آنے والے دَور کی دھندلی سی اِک تصویر دیکھ!

تو اقبال کو اللہ تعالیٰ نے وہ بصیرت عطا کی تھی جس کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ ((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ)) "مؤمن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔ تو یقیناً انہوں نے یہ پیشین گوئی کی ہے کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد ریاست کا قیام تقدیر مبرم ہے۔ چنانچہ ان کے الفاظ یہ بھی ہیں کہ "اس بنا پر میں مطالبہ کرتا ہوں کہ برصغیر اور اسلام کے مفاد کے پیش نظر ایک مستحکم مسلم ریاست قائم ہو"۔ تو گویا اس میں ایک مطالبہ بھی تھا۔ اگرچہ مسلم لیگ کی قرارداد تو کہیں دس سال بعد ۱۹۴۰ء میں پاس ہوئی' لیکن یہ الفاظ علامہ اقبال کے ۱۹۳۰ء کے خطبے میں موجود ہیں۔ لیکن اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ فرمائی کہ "اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں یہ موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرے پر جو بدنما داغ عرب دَورِ ملوکیت میں لگ گئے تھے (علامہ اقبال نے انگریزی میں Arab Imperialism کا لفظ استعمال کیا ہے) ہم ان داغ دھبوں کو دھو کر اسلام کی ایک صحیح شکل دنیا کے سامنے پیش کر سکیں گے"۔

یہ ہے احیائے اسلام اور قیامِ خلافت راشدہ کا ایک تصور کہ جو علامہ اقبال نے تحریک مسلم لیگ میں اس انجکشن کے ذریعے شامل کیا ہے' اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ

اصل اسلام تو وہ ہے جو دَورِ نبوی ﷺ اور دَورِ خلافت راشدہ میں تھا۔ باقی دَورِ بنو اُمیّہ میں کوئی اصل اسلام تو نہیں تھا' اس میں تو ملوکیت اور خاندانی حکومت جیسی خرابیاں آ گئی تھیں' جن کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کا اصول تو "اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ" پر مبنی ہے' یعنی باہمی مشورے سے امیرالمؤمنین کا انتخاب ہو۔ لیکن اب ایک خاندان اور قبیلے کی حکومت قائم ہو گئی۔ اور یہ معاملہ تو اسلام کا نہیں ہے۔ پھر جاگیرداری شروع ہو گئی اور پھر بیک ڈور سے سرمایہ داری آ گئی۔ پھر جو دَور آیا ہے بنو عباس کا وہ تو یوں سمجھئے کہ اصل امپیریلزم کا دَور ہے جس میں دنیا کی دوسری بادشاہتوں کے نظام سے کوئی فرق نہیں تھا۔ وہی بڑے بڑے محل اور عیاشیاں اُن کے ہاں بھی تھیں' اور اُن کے محلات کے اندر کوہِ قاف کے علاقے کی عورتیں' جن کا حسن پوری دنیا میں مشہور ہے' سینکڑوں کی تعداد میں کنیزوں کی صورت میں رکھی جاتی تھیں' اور وہاں پر پینے پلانے اور رقص و سرود کا بازار گرم رہتا تھا۔ تو یہ اسلام نہیں ہے۔ اسی طرح بعد میں جو ترکوں کی خلافت قائم ہوئی ہے اس میں کچھ اچھے لوگ بھی تھے' لیکن ان میں بھی بدترین قسم کی ملوکیت تھی۔ چنانچہ علامہ اقبال کی بات کو سمجھئے کہ دَورِ بنو امیّہ و بنو عباس اور عثمانی ترکوں کے دَورِ سلاطین سے اسلام کے بارے میں جو تصور وجود میں آتا ہے اور اسلام کی جو تصویر دنیا کے سامنے آتی ہے وہ بہت گمراہ کن (misleading) ہے۔ وہ تو اسلام کو بدنام کرنے والی شے ہے۔ علامہ اقبال نے اپنے خطبے میں کہا' جیسے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ برصغیر کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہو گئی تو ہمیں ایک موقع مل جائے گا کہ اصل اسلام دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ اور ظاہر بات ہے کہ اصل اسلام عرب امپیریلزم سے پہلے کا اسلام ہے اور وہ دَورِ خلافت راشدہ کا اسلام ہے۔ گویا خلافت راشدہ کا لفظ اگرچہ علامہ اقبال نے استعمال نہیں کیا' لیکن ان کی عبارت کا تجزیہ کیجئے تو وہ یہی کہہ رہے ہیں۔ یہ خطہ ارضی اسلام کے لئے یہ موقع فراہم کرے گا کہ وہ اپنے اوپر سے اس نقش کو اتار پھینکے جو اسے عرب بادشاہت نے پہنا دیا تھا اور اپنے قانون' اپنی تعلیم' اپنی ثقافت کو ترقی دے اور انہیں اصل اسلامی روح اور دَورِ جدید کے تقاضوں

سے ہم آہنگ کر دے۔

دوسرے لفظوں میں آپ اسے "نظریہ پاکستان" (The Idealogy of Pakistan) کہہ سکتے ہیں۔ یہ نظریہ اس سے پہلے مسلم لیگ کے سامنے نہیں تھا۔ میں نے عرض کیا کہ اس وقت تک مسلم لیگ صرف ہندو کے غلبہ کے خلاف' اور مسلمانوں کے شہری حقوق حاصل کرنے کے لئے ایک جدوجہد تھی۔ اب اس کے اندر احیائے اسلام کا جذبہ' علامہ اقبال کی ملی شاعری اور ملی فکر کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔ اور اس کے لئے جو سب سے بڑا لینڈ مارک ہے وہ علامہ اقبال کا خطبہ آلہ آباد ہے جس میں مسلم قومیت کو فلسفیانہ انداز میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ خطبہ اس اعتبار سے اہم ترین ہے کہ مسلمان علیحدہ قوم میں جو کسی بڑی قومیت میں ضم نہیں ہو سکتے۔ اس میں دو ٹوک انداز میں واضح کر دیا گیا کہ ہم ہندوستانی قومیت کا جزو نہیں بن سکتے' ہم ہندوؤں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں بن سکتے' ہماری قومیت جدا ہے' اور ہماری قومیت مذہب کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے ایک سیاسی تصور کی حیثیت سے وطنیت کی بڑی شدت کے ساتھ نفی کی۔ "بانگ درا" میں ان کی یہ نظم موجود ہے ؎

اِس دَور میں مے اور ہے' جام اور ہے' جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
یہ بُت کہ تراشیدۂ تہذیبِ نوی ہے
غارت گرِ کاشانۂ دینِ نبویؐ ہے
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

نظارۂ دیرینہ زمانے کو دکھا دے
اے مصطفوی خاک میں اس بُت کو ملا دے!

یہ ہے مصورِ پاکستان اور مفکرِ پاکستان علامہ اقبال کا "قومیت" کا تصور۔ معلوم ہے کس قدر بڑی تحریک تھی جمعیت علمائے ہند' اور کتنا اونچا مقام حاصل تھا اُس وقت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو' لیکن جب انہوں نے دہلی میں ایک تقریر کرتے ہوئے یہ تصور پیش کیا کہ "قومیں آج کل وطن کی بنیاد پر بنتی ہیں" گویا کہ انہوں نے کانگریس کے موقف کی تائید کی کہ جب ہم ایک ہندوستان میں رہتے ہیں تو سب ہندی قوم ہیں' مذہب تو انفرادی معاملہ ہے' کوئی مسلمان ہے' کوئی ہندو ہے' کوئی سکھ ہے' کوئی پارسی ہے' لیکن ہم ہندوستانی ایک وحدت کے طور پر ایک قوم ہیں' تو اس پر علامہ اقبال نے جو اشعار کہے ہیں' واقعہ یہ ہے کہ اسی سطح کا شخص تھا کہ جو یہ بات کہہ سکتا تھا' ورنہ کسی عام آدمی کے لئے تو یہ کہنا ممکن ہی نہیں تھا ؎

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود بر سرِ منبر کہ ملّت از وطن است
چہ بے خبر ز مقامِ محمدؐ عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر با او نرسیدی تمام بولہبی است

یعنی حقیقت یہ ہے کہ عجم نے ابھی تک دین کی اصل حقیقت کو نہیں سمجھا' ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ دیوبند جیسے عظیم دارالعلوم کا شیخ الحدیث یہ بات کہہ دیتا' یہ بڑی بوالعجبی ہے' بڑی حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے منبر پر کھڑے ہو کر یہ راگ الاپا ہے کہ قومیں وطن کی بنیاد پر بنتی ہیں' یہ بات کہنے والا محمدِ عربی ﷺ کے مقام سے کس قدر بے خبر ہے۔ یہ جملہ اقبال نے مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں کہا کہ جو حدیث کے استاد ہیں' انہوں نے مسجد نبوی میں حدیث کے درس دیئے ہیں' لیکن جس جرأت کے ساتھ یہ بات کہی ہے وہ

کوئی اور نہیں کہہ سکتا تھا۔ آخری شعر میں کہا کہ تمہیں تو چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ کے قدموں تک اپنے آپ کو پہنچادو' کیونکہ دین تو وہی ہے جو آپؐ نے پیش کیا' اگر ایسا نہیں کرو گے تو پھر یہ سب بولہبی ہے' یہ اسلام نہیں ہے' چاہے تمہارا لباس اور وضع قطع مسلمانوں جیسی ہو' لیکن اگر یہ غیر اسلامی نظریات قبول کر لئے گئے تو پھر ہم مسلمان نہیں ہیں۔ مسلمان تو تب ہی ہوں گے جب کہ ہمارے نظریات' ہماری فکر' ہماری سوچ ساری کی ساری رسول اللہ ﷺ کے سانچے میں ڈھل جائے۔ یہ ہے درحقیقت "نظریہ پاکستان"۔

علامہ اقبال کے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد کے اہم نکات یہ ہیں :

(۱) انہوں نے اپنے خطبے میں مسلم قومیت (Muslim Nationhood) کو فلسفیانہ دلائل سے ثابت کیا کہ مسلمان ایک قوم ہیں۔

(۲) انہوں نے پاکستان کی بشارت دی بایں الفاظ کہ یہ تقدیر مبرم ہے (it is destiny) کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد مسلمان ریاست قائم ہوگی۔ حالانکہ اُس وقت اس کا تصور بھی بہت بعید تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر ۱۹۴۷ء میں ہمیں دو خطوں پر مشتمل پاکستان دے دیا۔ علامہ اقبال نے صرف مغربی پاکستان کا خواب دیکھا تھا' مشرقی پاکستان انہیں نظر نہیں آیا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ "وَلَدَيْنَا مَزِيْدٌ" جو تم کہتے ہو ہم تمہیں وہ بھی دیتے ہیں اور اس کے ساتھ مزید بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کے شمال مشرق کے اندر بھی ایک پاکستان بن گیا اور شمال مغرب کے اندر بھی۔

(۳) اپنا ایک تصور دیا کہ اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ ہم یہاں اسلام کو زندہ کریں' اسلام کا وہ نظام یہاں قائم کریں جو دورِ خلافت راشدہ میں تھا' تاکہ اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں (misconceptions) ہیں ان کو دور کریں اور دورِ بنو امیہ' دورِ بنو عباس یا ترک خلفاء کے زمانے میں اسلام کا جو بھی نقشہ دنیا کے سامنے قائم ہوا ہے اس کے بجائے اسلام کی صحیح تصویر دنیا کے سامنے پیش کریں۔

اب چند باتیں قائداعظم کے بارے میں سمجھ لیجئے۔ ۱۹۲۷ء سے لے کر ۱۹۳۰ء تک قائداعظم ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے سفیر رہے ہیں۔ چنانچہ یہ بیک وقت کانگریس اور مسلم لیگ کے رکن رہے ہیں۔ ۱۹۱۳ء میں' جبکہ یہ کانگریس کے بھی رکن تھے' مسلم لیگ میں شامل ہوئے۔ گویا اس وقت ان کا دو کشتیوں میں پاؤں تھا۔ کانگریس میں تو ۱۹۰۶ء میں ہی آگئے تھے۔ اس طرح کانگریس میں شمولیت کی عمر سات سال زیادہ ہے۔ پھر ان کی کوشش سے ۱۹۱۵ء میں کانگریس اور مسلم لیگ دونوں کے سالانہ اجلاس ایک مقام پر بمبئی میں منعقد ہوئے' تاکہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے نزدیک آئیں' ایک دوسرے کی باتیں سنیں اور ہندو مسلم اتحاد کی کوئی شکل بن سکے۔ پھر ان ہی کی کوششوں کے نتیجے میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان ایک معاہدہ "میثاقِ لکھنؤ" کی صورت میں طے پایا۔ یہی وجہ ہے کہ گوکھلے نے کہا کہ یہ شخص ہندو مسلم اتحاد کا سفیرِاعظم ہے۔ اس کے بعد ۱۹۲۷ء میں قائداعظم نے تجاویز دہلی دیں کہ کانگریس اگر مسلمانوں کے حقوق کی ان اعتبارات سے ضمانت دے تو بہت اچھا ہو گا' لیکن اس کے برعکس جب نہرو رپورٹ آئی تو وہ اس کے متضاد تھی۔ پھر قائداعظم نے ۱۹۲۹ء میں اپنے چودہ نکات پیش کر کے آخری کوشش کی کہ کانگریس یعنی ہندو مسلمانوں کے یہ حقوق منظور کرلیں اور پھر دونوں قومیں مل کر آزادی کی جدوجہد کریں اور ایک ملک کی حیثیت سے آزاد ہو جائیں۔ لیکن اس ضمن میں مسلمانوں کو یہ ضمانتیں ملنی چاہئیں تاکہ ان کا تشخص ختم نہ ہو جائے' وہ دوسرے درجے کے شہری بن کر نہ رہ جائیں اور ان کی تہذیب' ان کا کلچر' ان کے اصول یہ سب کے سب دب کر نہ رہ جائیں۔ تو چودہ نکات کی صورت میں قائداعظم نے یہ ضمانتیں طلب کیں' لیکن پھر ہندوؤں کے طرزِ عمل کو دیکھ کر قائداعظم انتہائی مایوس ہو گئے۔ یہ بات میں اس لئے بتا رہا ہوں کہ علامہ اقبال اور قائداعظم کے مابین یہ فرق ہے۔ علامہ اقبال میں ہندی قوم پرستی کا جو جذبہ تھا وہ بہت ہی عارضی سے وقت کے لئے تھا۔ اس کے فوراً بعد ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء کے دوران وہ انگلستان اور جرمنی میں رہے اور ان کی قلب ماہیت ہو گئی۔ اب وہ مسلمانوں کی وحدتِ ملی کے حدی خوان اور مسلمانوں کے

علیحدہ تشخص کے علمبردار بن گئے اور انہوں نے مستقبل میں مسلمانوں کے ایک عظیم رول اور دنیا میں احیائے اسلام کی پیشین گوئیاں کیں ۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہوگا!
دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا!
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا!

تمہاری یہ تہذیب ختم ہو جائے گی اور اسلام کا بول بالا ہو گا۔ تو اقبال ان معاملات میں بہت سینئر ہیں۔ قائداعظم فکری اعتبار سے ادھر نہیں آئے' بلکہ ہندو کے طرز عمل سے مایوس ہو کر آئے (ان دونوں چیزوں کا فرق سمجھ لیجئے) ان کی آخری کوشش یہی تھی کہ ہندو مسلم اتحاد برقرار ہے' ہندو مسلمان مل جل کر آزادی کی جنگ لڑیں اور آزاد ہو جائیں' لیکن اس کے لئے ہندو ہمیں یہ یہ ضمانتیں دے دیں' اس طرح ہمیں اپنا راستہ جدا کرنے کی ضرورت نہیں ہے' ہم مل کر انگریز کے خلاف جدوجہد کر سکتے ہیں۔ لیکن ۱۹۲۹ء میں وہ انتہائی مایوس ہو گئے اور انگلستان میں جا کر بیٹھ گئے۔ وہاں پھر تین گول میز کانفرنسیں ہوئیں' پہلی ۱۲ نومبر ۱۹۳۰ء کو' دوسری ۷ نومبر ۱۹۳۱ء کو اور تیسری ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء کو۔ ان میں سے دوسری گول میز کانفرنس میں قائداعظم کو شریک نہیں کیا گیا' حالانکہ وہ انگلستان میں موجود تھے' لیکن وہ اس درجے مایوس ہو چکے تھے کہ اس وقت انہوں نے آکسفورڈ میں شیخ محمد اکرام (جن کی مسلم انڈیا کی سیاسی' ثقافتی اور مذہبی تاریخ پر آبِ کوثر' رودِ کوثر اور موجِ کوثر کے نام سے بڑی مشہور کتابیں ہیں) سے کہا کہ میں کیسے اس قوم کی قیادت کروں؟ جہاں تک ہندو ہے وہ بہت تنگ نظر ہے' اس کا سینہ بہت ہی تنگ ہے' وہ مسلمان کے ساتھ صحیح طرزِ عمل اختیار کرنے کو تیار نہیں ہے اور مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ ان کے لیڈر صبح مجھ سے جو بات کرتے ہیں شام کو ڈپٹی کمشنر کے پاس جا کر رپورٹ بھی

کرتے ہیں اور ان سے مشورہ مانگتے ہیں کہ کیا کرنا چاہئے۔ کیونکہ مسلم لیگ میں اُس وقت سر تھے' نواب زادے تھے' بڑے بڑے فیوڈل لارڈز تھے' اور ظاہر بات ہے کہ یہ لوگ تو حکومت وقت کے ساتھ بنا کر چلتے ہیں' یہ اے سی' ڈی سی اور گورنر کو کیسے ناراض کریں گے؟ تو قائداعظم نے کہا کہ میں ایسی قوم کی کیسے قیادت کروں۔ لیکن بہرحال ۱۹۳۲ء میں جو تیسری گول میز کانفرنس ہوئی علامہ اقبال اس میں گئے تھے۔ اس موقع پر علامہ اقبال اور قائداعظم کا قریبی رابطہ ہوا اور قریبی مراسم قائم ہوئے' اور پھر علامہ اقبال ہی کے زور دینے پر ۱۹۳۴ء میں قائداعظم ہندوستان واپس آئے اور انہیں مسلم لیگ کا تاحیات صدر بنایا گیا۔

تخلیق پاکستان میں اقبال اور جناح کا کردار

علامہ اقبال اور قائداعظم کی شخصیات کا یہ جو تقابل پیش کیا گیا اس کا نتیجہ کیا ہے؟ اب میں یہ الفاظ ایک دوسرے کے مقابلے پر استعمال کر رہا ہوں۔ علامہ اقبال مفکرِ پاکستان' مصورِ پاکستان' مبشرِ پاکستان ہیں اور قائداعظم معمارِ پاکستان' مؤسّسِ پاکستان' بانیٔ پاکستان۔ آپ کو معلوم ہے آج کل آرکیٹیکٹ (Architects) ہوتے ہیں جو کسی مکان' بنگلے' کوٹھی کا نقشہ بناتے ہیں اور نقشے کے ساتھ اس کا پورا کا پورا detailed structure بھی بنا دیا جاتا ہے کہ یہ سامنے سے کیا نظر آئے گا اور سائیڈ سے کیسا ہو گا' کیا اس میں خوبصورتی ہو گی' یہ سب آرکیٹیکٹ کا کام ہے۔ لیکن اس کے بعد ٹھیکیدار یا معمار اس کو تعمیر کرتا ہے۔ تو پاکستان کے وجود میں آنے میں دو شخصیتوں کے رول کو ہمیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ قائداعظم فلسفی تھے نہ عالم دین' نہ ہی وہ کوئی مصنف تھے' ان کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ یہ تو اب کراچی میں جو قائداعظم اکیڈمی ہے اس نے قائداعظم کے اخباری بیانات اور تقاریر کو چار جلدوں میں جمع کیا ہے۔ ان میں سے کچھ اقتباسات میں آج آپ کے سامنے پیش کروں گا کہ قائداعظم کا اصل تصور پاکستان کیا تھا' وہ سامنے آنا چاہئے۔ علامہ اقبال کا معاملہ یہ ہے کہ زمانہ طالب علمی میں وہ مولوی

میر حسن کے زیر تربیت رہے' ان کے والد گھرے صوفی منش انسان تھے۔ پھر یہ کہ انہوں نے اس زمانے میں بی۔ اے تک عربی پڑھی تھی' لہٰذا قرآن اور حدیث ان کے سامنے کھلے ہوئے تھے۔ چونکہ وہ عربی سے واقف تھے' لہٰذا چاہے کسی دارالعلوم کے مستند عالم نہیں تھے' لیکن واقعتاً بہت بڑے عالم تھے۔ آپ ان کے اشعار پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ کس طریقے سے قرآن مجید کی آیات سے استشہاد کرتے ہیں اور کس انداز سے انہیں اپنے شعروں میں سمو دیتے ہیں۔ ان کی شاعری کی سب سے بڑی تاثیر ہی یہ ہے کہ انہوں نے اس کے اندر قرآن مجید کو سمو دیا۔ تو علامہ اقبال کا معاملہ اور ہے' وہ مفکر اور فلسفی ہیں۔ قائداعظم کا معاملہ یہ ہے کہ وہ بانی پاکستان ہیں۔ قائداعظم ۱۹۳۴ء میں مسلم لیگ کے صدر بنے۔ اس کے بعد تین سال تک انہوں نے جو محنت کی اس کے کوئی نتائج ظاہر نہیں ہوئے۔ ۱۹۳۶ء کے الیکشن میں مسلم لیگ کا حال بہت پتلا تھا۔ ۱۹۳۷ء میں جو گورنمنٹ بنی وہ کانگریس کی بنی۔ بہرحال مسلم لیگ اس وقت بھی ابھی عوامی تحریک نہیں بنی تھی۔ لیکن ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک دس برس قائداعظم نے انتھک محنت کی۔ اور ان کے اندر بہترین صلاحیتیں تھیں' یعنی بہترین قانون دان' بہترین پارلیمنٹرین' بہترین وکیل اور پھر صاحب کردار' نہ بکنے والا' نہ جھکنے والا۔ ان کے اندر کردار کی قوت موجود تھی۔ پھر ان کا ظاہر و باطن ایک تھا۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا کہ اگر میں اسلامی لباس پہنوں تو مسلمان مجھے پسند کریں گے۔ نہیں' قطعاً نہیں۔ انہوں نے اپنے بود و باش' رہن سہن' وضع قطع اور لباس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ وہ ویسے کے ویسے بہترین سوٹ پہنا کرتے تھے' ان کا انداز وہی تھا کہ جو اُس زمانے میں مغربی بود و باش کا انداز تھا۔ انہوں نے کہیں بھی اپنے اوپر کوئی مصنوعی پردہ نہیں ڈالا اور اپنی شخصیت کے اوپر کوئی ملمع سازی نہیں کی۔ انہوں نے جو کہا وہی کر کے دکھایا۔ یہ نہیں کہ کرنا کچھ اور کہہ کچھ اور رہے ہوں' جو عام سیاستدانوں کا انداز ہوتا ہے۔ یہ ہے فرق علامہ اقبال اور قائداعظم میں۔

قائداعظم کی شخصیت کے بارے میں بہترین بات وہ ہے جو پیر سید جماعت علی شاہؒ نے کہی۔ ان کے کسی مرید نے ان سے کہہ دیا کہ حضرت آپ اتنی بڑی روحانی' علمی اور دینی

شخصیت ہیں اور آپ نے ایک داڑھی منڈے کے ہاتھ پر بیعت کرلی ہے! ان کا جواب آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے۔ میرے نزدیک یہ بہترین اور صحیح ترین تعبیر ہے اور میں ان کی ذہانت کو بھی خراج تحسین اور داد تحسین پیش کرتا ہوں' ایک جملے کے اندر انہوں نے ایسی بات کہی ہے کہ واقعتاً قائداعظم نہ اس سے کم تھے اور نہ اس سے زائد۔ ان کی شخصیت کا صحیح صحیح نقشہ پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ بھائی میں نے ان کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے' اصل میں میرا ایک مقدمہ ہے جس کی حیثیت قومی مقدمہ کی ہے' یہ ہندو قوم کے خلاف مسلمان قوم کا مقدمہ ہے' مجھے مسلمانوں کے اس قومی مقدمے کے لئے ایک وکیل چاہئے' لیکن وہ وکیل ایک ماہر قانون دان ہونا چاہئے' اس میں یہ صلاحیت ہونی چاہئے کہ اپنے دلائل کو موثر طور سے پیش کرسکے۔ پھر یہ کہ وہ بکنے والا نہیں ہونا چاہئے کہ فریق ثانی اسے خرید لے' اور مجھے ایسی شخصیت قائداعظم کی صورت میں ملی ہے' لہٰذا میں نے اپنا قومی مقدمہ ان کے حوالے کردیا ہے' ان کی حیثیت ہندوستان کے مسلمانوں کے وکیل کی ہے۔

علامہ اقبال اور قائداعظم ایک دوسرے کی نظر میں

اب میں یہ چاہتا ہوں کہ ان دونوں شخصیتوں کے آپس کے ربط و تعلق کو آپ کے سامنے بیان کروں اور میں آپ کے سامنے کچھ حوالے رکھوں گا۔ اقبال' جناح کی نظر میں کیا تھے' اسے ذرا اس حوالے سے سمجھئے کہ جب ۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کا انتقال ہوا تو اس پر قائداعظم نے جو الفاظ کہے وہ "Star of India" میں ۲۲/اپریل ۱۹۳۸ء کو شائع ہوئے۔ یہ الفاظ اسی کتاب میں محفوظ ہیں جو قائداعظم اکیڈمی نے چار جلدوں میں شائع کی ہے۔ کتاب کا عنوان ہے :

Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah-The Nation Voice

یہ الفاظ اس کتاب کی جلد اول میں ہیں :

Mr. M.A. Jinnah said that the sorrowful news of the death of Dr. Sir. Muhammad Iqbal had plunged the

world of Islam in gloom and mourning. Sir Muhammad Iqbal was undoubtedly one of the greatest poets, philosophers and seers of humanity of all times.

قائداعظم نے فرمایا کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی افسوسناک موت نے پورے عالم اسلام کو رنج و غم میں مبتلا کرکے ماتم کدہ بنادیا ہے۔ سر محمد اقبال پوری انسانی تاریخ میں ایک بہت بڑے شاعر، بہت بڑے فلاسفر اور Seer تھے، جو مستقبل کو دیکھتے تھے۔ گویا ؎

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دل وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہّمات میں

اس کے بعد قائداعظم نے جو الفاظ کہے وہ نوٹ کرنے کے قابل ہیں۔ میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ قائداعظم نے علامہ اقبال کے گویا ایک شاگرد کی حیثیت اختیار کی، ان سے inspiration لی اور ان سے فکر لیا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے قائداعظم کے پاس کچھ نہیں تھا۔ قائداعظم خود نہ فلسفی تھے، نہ ہی مفکر اور عالم اور نہ ہی مصنف تھے۔ انہوں نے صرف مسلمانوں کی ہمدردی اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے اپنی پوری زندگی لگائی تھی۔ ۱۹۰۶ء سے کانگریس میں شامل تھے اور ۱۹۱۳ء میں مسلم لیگ میں شامل ہو گئے جس کے بعد وہ ۱۹۳۰ء کے قریب آکر ہندوؤں سے مایوس ہو گئے کہ یہ کوئی بھی عدل اور اعتدال پر مبنی تصور قائم نہیں کرسکتے۔ قائداعظم کے اگلے الفاظ ملاحظہ کیجئے۔

To me he was a personal friend, philosopher and guide and as such the main source of my inspiration and spiritual support.

یعنی میرے لئے تو وہ ذاتی دوست بھی تھے، میرے فلسفی بھی (یعنی میں نے ان سے فلسفہ اخذ کیا ہے) میرے رہنما تھے، اور مجھے جو جذبہ ملا ہے اور جو مجھے روحانی تقویت حاصل ہوئی ہے وہ اقبال سے ہوئی ہے۔ غور کیجئے کہ یہ الفاظ قائداعظم کہہ رہے ہیں اور قائداعظم ایسے نہیں تھے کہ کسی عام آدمی کے لئے بہت زیادہ الفاظ استعمال کر دیتے۔ ان کا ایک ایک لفظ بہت سوچا سمجھا ہوا کرتا تھا۔

اس بات کو اچھی طرح سمجھنا چاہئے کہ ان دونوں شخصیتوں کا ایک دوسرے کے

بارے میں کیا تصور تھا۔ ظاہر بات ہے کہ علامہ اقبال نے یہ تو سمجھا تھا کہ مسلمانانِ ہند کی سیاسی قیادت کرنے والا اب کوئی نہیں سوائے جناح کے' اور یہی تصور انہوں نے قائداعظم کو دیا اور وہ واپس ہندوستان آنے پر آمادہ ہوئے۔ اس میں اور لوگوں کا بھی دخل تھا' لیکن فیصلہ کن دخل علامہ اقبال کا تھا۔ تو علامہ اقبال نے یہ سمجھ لیا تھا' جیسے پیر جماعت علی شاہ نے یہ سمجھا' کہ اس وقت ہندوستان میں مسلمان قوم کی وکالت اور رہنمائی سیاسی میدان میں سوائے محمد علی جناح کے' اور کوئی نہیں کر سکتا۔

لاہور میں ۲۵ مارچ ۱۹۴۰ء کو یوم اقبال کے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے قائداعظم نے کہا :

If I live to see the ideal of a Muslim state being achieved in India and I were then offered to make a choice between the works of Iqbal and rulership of Muslim state, I would prefer the former.

"اگر میں اس مقصد کے حصول تک زندہ رہا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک علیحدہ ریاست قائم ہو جائے اور تب اگر مجھے یہ اختیار دیا جائے کہ یا تو اس مسلم سٹیٹ کے حکمران بن جاؤ یا علامہ اقبال کی کتابیں لے لو تو میں علامہ اقبال کی کتابوں کو ترجیح دوں گا"۔ یہ ہیں وہ الفاظ جو قائداعظم ۱۹۴۰ء میں پاکستان ریزولوشن کے فوراً بعد کہہ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کہتے ہیں :

Continuing Mr. Jinnah said that in April 1936 he thought of transforming the Muslim League which was then only an academical institution into a parliament of Muslims of India.

"مجھے ۱۹۳۶ء میں خیال آیا تھا کہ مسلم لیگ جو ابھی تک ایک اکیڈمک ادارہ بنی ہوئی ہے میں اسے مسلم انڈیا کی ایک پارلیمنٹ کی شکل دے دوں۔"

From that time to the end of his life, he continued, Iqbal stood like a rock by him. Iqbal, Mr. Jinnah said, was not only a great poet who had a permanent place in the history of world's best literature, he was a dynamic

personality, who during his lifetime, made the greatest contribution towards rouing and developing of Muslim national consciousness.

یہ دو اقتباسات مَیں نے آپ کے سامنے پیش کئے ہیں' تاکہ یہ جو دو شخصیتیں تھیں ان کا ایک دوسرے کے بارے میں کیا گمان تھا سامنے آسکے۔ چنانچہ میں نے تقسیم کی ہے کہ مفکر پاکستان' مصور پاکستان' مبشر پاکستان اور پاکستان کی آئیڈیالوجی دینے والا تو اقبال تھا' لیکن اس نقشے پر پاکستان کی تحریک کو چلانا' سیاست کی پُر پیچ وادیوں میں سے لے کر اس قافلے کو آگے بڑھانا' اسے کامیابی کی منزل تک پہنچانا اور مسلمانوں کے قومی مقدمے کی وکالت' اس کا سہرا یقیناً قائداعظم کے سر ہے' وہ بانی پاکستان اور معمارِ پاکستان ہیں' لیکن وہ نظریہ دینے والے نہیں تھے' نظریہ (idealogy) کے لئے اگر آپ کو دیکھنا ہے تو اقبال کی طرف دیکھنا ہوگا۔ ہمیں دراصل ہر شخص کو اور ہر شے کو اس کے صحیح مقام پر رکھنا چاہئے۔ عربی زبان میں ظلم اسی کو کہتے ہیں کہ "وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ" یعنی ایک شے کو اس کے اصل مقام سے ہٹا کر کہیں اور رکھ دیا جائے تو یہ ظلم ہے۔

قائداعظم کا تصورِ اسلام

اب میں آپ کو تین اقتباسات دینا چاہتا ہوں جس میں قائداعظم نے کہا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔

سب سے پہلے ۱۰/ جنوری ۱۹۴۸ء کا ایک بیان ملاحظہ ہو :

Many people misunderstand us when we talk of Islam particularly our Hindu friends. When we say this flag is the flag of Islam, they think we are introducing religion into politics; a fact of which we are proud.

یعنی جس بات پر وہ ہمیں الزام دیتے ہیں کہ ہم سیاست کے اندر مذہب کو لا رہے ہیں ہم اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہمارے دین میں سیاست دین کے تابع ہے۔

Islam gives us a complete code of life. It is not only religion but it contains laws, philosophy and politics. In fact it contains everything that matters to a man from

morning to night. When we talk of Islam we take it as an all-embracing word. We do mean any ill will. The foundation of our Islamic code is that we stand for liberty, equality and fraternity.

اب میرا خیال یہ ہے کہ مجھے ہر چیز کا ترجمہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سب کا حاصل یہ ہے کہ ہم اسلام کو محض ایک مذہب نہیں سمجھتے۔ (مذہب میں ہوتے ہیں صرف عقائد، عبادات اور کچھ رسومات) اسلام ایک مکمل نظریۂ حیات ہے۔ اس میں قوانین ہیں، تہذیب ہے، فلسفہ ہے، آئیڈیالوجی ہے اور صبح سے لے کر رات تک کی انسانی زندگی کے لئے ہدایات ہیں۔ اور اس کی بنیادیں کیا ہیں liberty, equality اور fraternity۔ حریت، مساوات اور اخوت۔ یہ تینوں چیزیں ہیں کہ جو بنیاد ہیں اسلامی نظام کی۔

اس طرح کا ایک اور اقتباس قائد اعظم کے "عید کے پیغام" سے نقل کیا جا رہا ہے جو "ڈان" کراچی میں ۱۱/ ستمبر ۱۹۴۵ء کو شائع ہوا۔

The Musalmans are realizing more and more their responsibilty in every direction. Every Musalman knows that the injunctions of the Quran are not confined religious and moral duties. From the Atlantic to the Ganges, says Giben, The Quran is acknowledged as the fundamental code, not only of theology, but of civil and criminal jurisprudence, and the laws which regulate the action and the property of mankind are governed by the immutable sanctions of the will of God. Every one, except those who are ignorant, knows that the Quran is the general code of the Muslims. a religious, social, civil, commercial, military Judicial, criminal perol code. It regulates everything from the ceremonies of religion to those of daily life; from the salvation of the sole to the health of the body; from the rights of all to those of each individual; from morality to crime; from punishment here to that in the life to

> *come, and our Prophet has enjoined on us that every Musalman should possess a copy of the Qura'n and be his own priest. Therefore Islam is not merely confined to the spiritual tenets and the doctrines or rituals and ceremonies. It is a complete code regulating the whole Muslim society, every department of life, collective and individually.*

ذرا اندازہ کیجئے کہ جو شخص یہ باتیں کہہ رہا ہو وہ کوئی سیکولر ذہن کا مالک ہو سکتا ہے؟ اور یہ ۱۹۴۵ء ہے' پاکستان بننے سے صرف دو سال قبل۔

اس ضمن میں ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو۔ بیورلے نکس ہندوستان آیا تو اس نے ۱۱/ جنوری ۱۹۴۴ء کو قائداعظم سے بمبئی میں انٹرویو لیا۔ اس انٹرویو کے دوران قائداعظم نے فرمایا :

> *You must remember that Islam is not merely a religious doctrine but a realistic and practical code of conduct.*

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ اقبال کی طرح قائداعظم کا تصور اسلام بھی یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات (Code of Life) ہے۔ ذرا اندازہ کیجئے' قائداعظم کہہ رہے ہیں کہ اسلام صبح سے لے کر رات تک کے سارے معمولات سے بحث کرتا ہے اور زندگی کے تمام گوشوں کے بارے میں ہمیں ہدایات دیتا ہے۔

اس کے بعد ایک اقتباس ملاحظہ ہو ے جون ۱۹۳۸ء کے Tribue کی نیوز رپورٹ کا' جس میں عالمی ملت اسلامیہ کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا گیا۔

> *Mr. M.A. Jinnah unfurling the League flag, observed that it was not a new flag. It was several centuries old and was given to them by the Prophet. The disorganisation among the Muslims made them forget their own flag. But a new awakening among the Muslims had come about which had kept the flag*

afloat. He declared that no power on earth could bring their flag down.

اسی طرح اسلام کے قانون کی ان کے نزدیک عصر حاضر میں کیا اہمیت تھی' ملاحظہ کیجئے۔ یہ ان کا ۲۲ نومبر ۱۹۳۸ء کا ایک اخباری بیان ہے :

Mr. M.A. Jinnah, President All India Muslim League, in a statement to the Associated Press says---------
I find and I have no hesitation in saying this that Islamic code of law with regard to succession is most equitable, most just, most advanced and most progressive. I therefore, say that let the Muslims at least be governed by it.

ذرا یہ الفاظ نوٹ کیجئے کہ :

most successful, most equitable, most just, most advanced and most progressive.

پوری ملت اسلامیہ کی وحدت کے بارے میں جو بات کہہ رہے ہیں وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے ان کا یہ بیان Star of India میں ۸/اپریل ۱۹۳۹ء کو شائع ہوا۔

No geographical limits can divide the children of Islam (cheers). About our ideals there was no doubt now.

ذرا اندازہ کیجئے کہ سب کے سب مسلمان جو اس دنیا میں ہیں یہ اسلام کی اولاد ہیں۔ (اس پر تالیاں بجیں) ہماری قوم ایک ہے' اس کے بارے میں اب کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں۔

خود اپنے بارے میں جو کہا ہے یہ بھی Star of India میں ۱/۱۷ اگست ۱۹۳۹ء کو شائع ہوا ہے۔

"So far as I am concerned, I am willing to be branded so for doing my duty to Muslims, I was born a Muslim; I am a Muslim and I shall die a Muslim".

یعنی میں مسلمان پیدا ہوا تھا' مسلمان ہوں اور مسلمان مروں گا۔

اب ایک بات بہت اہم ہے۔ علامہ اقبال کے بارے میں تو آپ کو معلوم ہے کہ انہوں نے مغربی جمہوریت پر کس شدومد سے تنقیدیں کی ہیں۔ ؎

دیوِ استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خودشناس و خود نگر

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

لیکن قائداعظم کے بارے میں شاید آپ کا یہ گمان ہو کہ وہ سو فیصد مغربی جمہوریت کے قائل تھے۔ یہ جملہ ملاحظہ ہو جو ۹ نومبر ۱۹۳۹ء کو سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع ہوا :

Mr. Jinnanh next refuted the cry that the Muslim League had demounced democracy. Democracy in the abstract was quite different from democracy as practiced. Democracy was like the chameleon, changing its complexion according to the environment.

یعنی ڈیموکریسی تو گرگٹ کی طرح ہے کہ جن حالات میں اور جس ماحول میں ہوتی ہے اس کے مطابق وہ اپنا رنگ بدل لیتی ہے۔

Democracy was not the same in England as it was in France and America. Islam believes in equality, liberty and fraternity, but not the democracy of western type.

اب اگر اس شخص کے بارے میں کہا جائے کہ وہ پاکستان کو سیکولر نیشن سٹیٹ بنانا چاہتا تھا جو مغرب کے ذہن کی پیداوار اور مغربی فلسفے کا نتیجہ ہے' تو یہ سارے بیانات آپ کہاں لے کر جائیں گے؟

A demodratic parliamentary system in which party government was the basic principle of the constitution.

یہ ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

قائداعظم کا ایک اور "پیغام عید" بھی ہے جس میں انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا تذکرہ کیا ہے۔ عید کا یہ پیغام ۱۴ نومبر ۱۹۳۹ء کے Star of India میں شائع ہوا، جس میں نماز روزہ کی حکمتیں اس انداز سے بیان کی گئی ہیں جیسے مولانا مودودیؒ جیسا کوئی مصنف اور متکلم بیان کر رہا ہو کہ روزے کی یہ حکمتیں ہیں اور نماز کی یہ حکمتیں ہیں۔ محلے کے اندر لوگ پانچ وقت جمع ہوتے ہیں، پھر ذرا بڑی سطح پر جمعے کو، پھر عیدین میں، پھر حج میں۔ یہ سارا وعظ قائداعظم کے اس بیان میں موجود ہے۔

> *Man has indeed called God's caliph in the Quran, and if that description of man is to be of any significance it imposes upon us a duty to follow the Quran, to behave towards others as God behaves towards His mankind. All social regeneration and political freedom must finally depend on something that has a deeper meaning in life. And hat, if you will allow me to say so, is Islam and Islamic spirit.*

قرارداد پاکستان پاس ہونے سے چند دن پہلے ۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو ان کا ایک انٹرویو ٹائم اینڈ ٹائیڈ لندن میں "Two Nations in India" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس میں فرماتے ہیں :

> *"India is inhibited by many races.. often as distinct from one another in origin, tradition and manner of life as are the nations of Europe. Two thirds of its inhabitants profess Hinduism in one form or another as their religion, over 77 millions are followers of Islam; and the difference between the two is not only of religion in the stricter sense but also of law and culture. They may be said, indeed, to represent two distint and separate civilizations. Hindusism is distinguished by the phenomenon of its caste, which is the basis of its religious and social system, and save in a very*

restricted field, remains unaffected by contact with the philosiphies of the west; the religion of Islam, on the other hand, is based upon the conception of the equality of man."

قرار داد پاکستان کے منظور ہونے پر ۲۶/مارچ کے سول اینڈ ملٹری گزٹ میں قائداعظم کا یہ بیان چھپا :

Finally, he appealed to the Muslims of Punjab to organize the League in the province and carry its message from village to village and house to house. He exhorted workers, peasants, intelligentsia, landlords and capitalists to speak with one voice -- that of Islam.

"اب پوری قوم کو ایک آواز میں بات کرنی چاہئے' وہ بات اسلام کی ہوگی"۔ ۲۶/مارچ کو مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سرحد کے لئے اپنے ایک پیغام میں جو ۴/اپریل ۱۹۴۳ء کو شائع ہوا' انہوں نے کہا :

You have asked me to give you a message. What message can I give you? We have got the greatest message in the Quran for our guidance and enlightenment.

یعنی ہمارے لئے تو اصل پیغام قرآن ہے' اس کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور پیغام کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

قائداعظم کا تصور پاکستان

۱۷/جنوری ۱۹۴۶ء کو خواتین کے اجتماع میں اپنی ایک تقریر میں قائداعظم نے بتایا کہ اگر پاکستان نہ بنا تو کیا ہوگا۔ یہ تقریر ۱۸/جنوری ۱۹۴۶ء کو سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور میں شائع ہوئی ہے۔

If we do not succeed in our struggle for Pakistan the very trace of Muslims and Islam will be obliterated from the face of India.

"اگر ہم پاکستان کے حصول میں ناکام رہے تو سن لو کہ ہندوستان سے اسلام اور مسلمانوں

کانام و نشان مٹا دیا جائے گا"۔

ہندو ذہنیت کو جس قدر قائد اعظم نے قریب سے دیکھا وہ کسی نے نہیں دیکھا۔ خاص طور پر ہمارے علماء چاہے وہ مولانا مدنی" تھے یا ابو الکلام آزاد تھے' وہ ہندو کے ظاہری طرز عمل کو دیکھتے تھے کہ مہاراج ہاتھ جوڑ کر نمستے کر رہے ہیں' بچھے جا رہے ہیں' لیکن اس کی اصل ذہنیت کیا تھی اسے قائد اعظم صحیح سمجھتے تھے جنہیں ہندو لیڈر گوکھلے نے ہندو مسلم اتحاد کے سب سے بڑے سفیر کا لقب دیا تھا۔ ہندوؤں کے تعصب کا اندازہ کرنے کے لئے آپ ذرا یاد کیجئے' ۱۹۷۱ء میں جب سقوط ڈھاکہ ہوا ہے تو موتی لال نہرو کی پوتی' جواہر لال نہرو کی بیٹی اندرا گاندھی کہہ رہی ہے کہ We have avenged our thousand years defeat "ہم نے اپنی ہزار سالہ شکست کا بدلہ چکا دیا"۔ اس سے ذرا اندازہ کریں کہ ہندو مہا سبھا کے عزائم کیا ہوں گے' آر ایس ایس کے عزائم کیا ہوں گے' اور کانگرس کے اندر بھی جو ذرا کٹر قسم کے ہندو تھے' مثلاً سردار بھائی پٹیل وغیرہ ان کے کیا عزائم ہوں گے۔ قائد اعظم نے ان کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ لہٰذا وہ مایوس ہو کر انگلستان چلے گئے تھے۔ یہ تو اقبال تھے جو انہیں دوبارہ واپس لائے۔ میرے نزدیک واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال کے ہاتھ پر معناً بیعت کی ہے' وہ انہیں اپنا Spiritual guide اور Source of inspiration قرار دیتے ہیں۔ اس اعتبار سے مفکر پاکستان' مصور پاکستان اور پاکستان کا نظریہ دینے والے علامہ اقبال ہیں۔ اقبال سے اخذ کردہ ان تصورات کے پیش نظر قائد اعظم نے کہا تھا :

> *If we do not succeed in our struggle for Pakistan the very trace of Muslim and Islam will be oblitrated from the face of India.*

اسی طرح عربوں کے "کاز" کے بارے میں اب دیکھئے قائد اعظم کیا کہہ رہے ہیں۔ ان کا NewYork Times میں ۱۳/ فروری ۱۹۴۶ء کو ایک انٹرویو شائع ہوا ہے۔ واضح رہے کہ یہ تو میں "مشتے از خروارے" یا بالفاظِ دیگر دیگ کے چند چاول آپ کو دکھا رہا ہوں' ورنہ قائد اعظم کے نظریہ پاکستان اور اسلام کے حوالے سے خیالات و تصورات

چار جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان میں سے صرف دو حصوں میں سے یہ اقتباسات پیش کر رہا ہوں۔ کراچی میں میرے ایک ساتھی ہیں۔ انہوں نے یہ ساری محنت کی ہے اور یہ سارے اقتباسات انہوں نے مجھے فراہم کئے ہیں۔ نیویارک ٹائمز کا نامہ نگار قائداعظم سے پوچھ رہا ہے کہ عربوں کے ساتھ آپ کی ہمدردی کا کیا تصور ہے۔ قائداعظم نے جواب دیا :

The Indian Muslim will do everything in his power to help the Arabs. He will go to every length, because we do not want Palestine to go out of Muslim hands. when asked to define "any length" Mr. Jinnah said, it means what ever we can do, violence if necessary.

یعنی ہمیں عربوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے طاقت بھی استعمال کرنی پڑی تو کریں گے۔ اس سے ذرا اندازہ کرنا چاہئے کہ القدس کا مسئلہ اب جس سطح پر پہنچ چکا ہے 'یوں سمجھئے کہ مشرق وسطیٰ آتش فشاں کے دہانے پر پہنچا ہوا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی دن کی بات ہے کہ وہاں بہت بڑی جنگ ہونے والی ہے 'اس جنگ میں پاکستان کا رول کیا ہونا چاہئے' قائداعظم کے مذکورہ بالا الفاظ جو ۱۳/ فروری ۱۹۴۶ء کو نیویارک ٹائمز کے اندر چھپے ہیں' اس ضمن میں ہماری بھرپور راہنمائی کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہمیں آنے والے سخت حالات میں عربوں کی ہر ممکن مدد کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

اب ان کے یہ خیالات ملاحظہ کریں جو انہوں نے پاکستان بننے کی صورت میں اقلیتوں کے لئے ظاہر کئے تھے۔ قائداعظم نے انہیں اطمینان دلایا تھا کہ تمہارے ساتھ ہم بہت عمدہ سلوک کریں گے' تم ڈرو نہیں کہ تمہارا معاملہ شودروں کا ہو جائے گا' ہمیں اسلام نے جو تعلیمات دی ہیں وہ بہت بلند ہیں۔ اس ضمن میں ۲۹/ مارچ ۱۹۴۴ء کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو جو سول اینڈ ملٹری گزٹ کے اندر چھپا ہے۔

Mr. Jinnah assured the Non Muslim minorities that if Pakistan was established they would be treated with fairness, justice and even generosity.

یعنی پاکستان اگر بن گیا تو ہم غیر مسلموں کے ساتھ عدل و انصاف ہی کا نہیں بلکہ احسان اور سخاوت کا رویہ اختیار کریں گے۔

This was enjoined upon them by the Quran. And this was the lesson their history had taught them with a few exceptions in which some individual may have misbehave.

اسلام میں جبر نہیں ہے۔ اسلام غیر مسلموں کو کھلی اجازت دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزاریں۔ مسلمان فوجیں عرب سے جب نکلی تھیں تو وہ جہاں بھی گئے تین متبادل پیش کرتے تھے۔ سب سے پہلے اسلام لے آؤ تم ہمارے برابر کے ساتھی بن جاؤ گے۔ تمہاری جان' مال سب محفوظ ہو گا۔ اگر یہ نہیں تو اسلام کی بالادستی قبول کرلو' جزیہ دے دو' چھوٹے بن کر رہو۔ اگر تمہیں اسلام کی برتری منظور نہیں تو پھر تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ لہٰذا جہاں تک مذہبی آزادی کا تعلق ہے اسلام پوری گارنٹی دیتا ہے کہ جو بھی غیر مسلم اقلیتیں ہوں وہ جو عقیدہ بھی چاہے رکھیں ان کی عبادت گاہوں کی پوری حفاظت کی جائے گی' بلکہ مسجدوں سے بڑھ کر کی جائے گی۔ سورۃ الحج میں ارشاد ربانی ہے :

﴿ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾ (الحج : ۴۰)

"اگر اللہ تعالیٰ بُرے لوگوں کو وقتاً فوقتاً دنیا سے دفع نہ کرتا رہتا تو فساد مچ جاتا' تمام صومعے' گرجے' خانقاہیں اور مسجدیں سب کی سب برباد ہو جاتیں"۔

یہاں دیکھئے مسجد سے بھی پہلے صوامع اور سینگاگ کا' یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے معابد کا ذکر ہے۔

۱۱/ اگست ۴۷ء کا خطاب اور اس کی تاویل

اصل میں یہی وہ بات تھی جو قائداعظم نے ۱۱/ اگست ۱۹۴۷ء کی اپنی تقریر میں کہی' جس کو یہ معنی پہنائے جا رہے ہیں کہ گویا انہوں نے وہاں سیکولرزم کا پرچار کیا ہے۔ اس

تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے :

You are free to go to your temples, you are free to go to your mosques or to any other places of worship in this state of Pakistan

اس کے ساتھ آگے چل کر یہ الفاظ بھی فرمائے :

Now I think we should keep that in front of us as our ideal and you will find that in course of time Hindus would cease to be Hindus and Muslims would cease to be Muslims, not in the religious sense, because that is the personal faith of each individual, but in the political sense as citizens of the state.

ان الفاظ کی بنا پر پوری دس سالہ تاریخ' یعنی قائداعظم نے ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک جو کہا ہے' اس کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی اس تقریر میں انہوں نے وہی بات کہی ہے جو ۴۶ء میں کہی تھی کہ غیر مسلم اقلیتوں کو اسلامی ریاست میں پوری آزادی ہوگی۔ آپ جو چاہیں عقیدہ رکھیں' جو آپ کی عبادات کی رسوم ہیں آپ ان پر چلیں' جو آپ کے معبد ہوں گے ان کی حفاظت ہوگی' کیونکہ اسلامی ریاست آپ کے جان' مال' عزت و آبرو' جائیداد ہر شے کی حفاظت کا ذمہ لیتی ہے۔ غیر مسلموں کو ذمی اسی لئے کہتے ہیں" ذمی کوئی گالی نہیں' اس کے معنی ہیں جن کی جان' مال' عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ اسلامی ریاست نے لیا ہے۔ اور یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ اسلامی ریاست میں ہر مسلمان پر فوجی سروس لازم ہے کہ ہر مسلمان سپاہی ہے' لیکن غیر مسلم کو اس کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا' بلکہ ان کی حفاظت مسلمان کریں گے' اس لئے انہیں جزیہ دینا ہوگا۔ جزیہ ایک نوع کا ٹیکس ہے۔ مسلمان زکوٰۃ و عشر دے گا جبکہ غیر مسلم جزیہ دے گا' بس یہی فرق ہو گا۔ لیکن جہاں تک مذہبی آزادی کا تعلق ہے' عائلی قوانین کا تعلق ہے' رسومات کا تعلق ہے' اس میں اقلیتوں کو پوری آزادی ہوگی' یعنی آپ شادی بیاہ جیسے چاہیں کریں' نکاح و طلاق کے معاملے میں بھی آپ اپنے طریقے اختیار کریں' آپ جیسے چاہیں بچے کی پیدائش پر جشن منائیں' آپ اپنے مردے کو جلائیں' دفنائیں یا کسی اونچی جگہ پر رکھ دیں' جیسے

پارسی رکھ دیتے ہیں تاکہ اونچی جگہ پر پرندے نوچ نوچ کر کھا جائیں۔

اسی طرح سرکاری ملازمتوں' پروفیشنز اور کاروبار میں کوئی پابندی نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون سازی قرآن و سنّت کی بنیاد پر ہو گی' اور غیر مسلم چونکہ قرآن و سنّت پر یقین نہیں رکھتا اس لئے اس معاملے میں اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے اسلامی ریاست کی اعلیٰ ترین ترجیح یہ ہو گی کہ اسلام پوری دنیا میں پھیلے اور نظامِ خلافت کل روئے ارضی پر قائم ہو' اور ظاہر بات ہے کہ غیر مسلم کی تو یہ خواہش نہیں ہو گی۔ کیونکہ وہ اس نظام کو مانتا ہی نہیں' اس لئے قانون سازی اور پالیسی بنانے کی اعلیٰ ترین سطح پر غیر مسلم شریک نہیں ہو سکتا۔ غیر مسلموں کے لئے باقی تمام ملازمتیں ہیں' فوج میں بھی آنا چاہیں تو آئیں۔ یہ بات ہے جس کا قائداعظم نے ان کو یقین دلایا ہے۔ اگرچہ واقعتاً اس تقریر کے اس جملے میں سیکولرزم کی کچھ جھلک محسوس ہوتی ہے :

because religion is the private individual affair

کیونکہ یہاں وضاحت نہیں کی گئی۔ لیکن میں نے اسی لئے آپ کو وہ سارے اقتباسات سنائے ہیں کہ قائداعظم کے نزدیک اسلام صرف مذہب نہیں ہے بلکہ ایک دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس جملے سے ان کی مراد ہے کہ جیسے مسلمان کو اجازت ہے کہ جو چاہے مسلک اختیار کرے' کوئی شافعی ہے' کوئی حنفی ہے' کوئی حنبلی ہے' کوئی مالکی ہے' کوئی شیعہ اور کوئی اہل حدیث ہے' ہر مسلک کا پیروکار آزاد ہے کہ جیسے چاہے نماز پڑھے' جہاں چاہے ہاتھ باندھے یا ہاتھ کھول کر پڑھے' شیعہ اگر ذرا دیر میں روزہ کھولنا چاہتے ہیں یا ذرا پہلے سحری ختم کر دیتے ہیں تو کوئی اعتراض نہیں۔ جیسے انہیں آزادی ہے ایسے ہندوؤں کو' سکھوں کو' بدھوں کو مذہبی سطح پر ہر قسم کی آزادی ہے۔ ان سب کے جو مذہبی معاملات ہیں یعنی عبادات' عقائد اور رسومات' اس میں تو سب برابر ہیں' لیکن اسلام صرف ایک مذہب نہیں ہے۔ یہ ہے وہ بات جس کے لئے میں نے مندرجہ بالا اقتباسات پیش کئے۔ قائداعظم نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسی لئے تو پاکستان حاصل کیا گیا ہے' ورنہ مذہب کا معاملہ تو ہندوستان کے اندر بھی

چل سکتا تھا۔ آج بھی تو مسلمان وہاں بستے ہیں' نمازیں پڑھتے ہیں' مسجدیں بناتے ہیں۔ ہندوستان ہی میں نہیں امریکہ میں مسجدیں بنا رہے ہیں۔ سیکولرازم میں مذہب کو تحفظ حاصل ہوتا ہے' لیکن سیکولرازم کا بحیثیت نظام مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پاکستان ہم نے اس لئے بنایا کہ یہاں نظام اسلامی ہوگا البتہ مذہب کی سطح پر سب کو آزادی ہوگی۔ چنانچہ قائداعظم کے ایک جملے کو لے کر اُن کے دس سال کے فرمودات' اعلانات' تصریحات کی نفی کر دینا حقیقت سے آنکھیں چرانے کے مترادف نہیں تو اور کیا ہے؟ جبکہ وہ سارے حقائق اپنی جگہ پر موجود ہیں۔

البتہ میں یہاں آپ سے عرض کر دوں کہ درحقیقت اس جملے کی ایک تاویل بھی میرے پاس ہے' جو میں آج سے پندرہ سال پہلے اپنی کتاب "استحکام پاکستان" میں تفصیل کے ساتھ پیش کر چکا ہوں۔ قائداعظم کا وہ جملہ یہ ہے :

In course of time you will see that Hindus will cease to be Hindus and Muslims will sease to be Muslims not in the religious sense because religion is the private affair of the indivudual but in the political sense as citizens of the state.

اگر آپ سیاق و سباق نہ دیکھیں' پچھلی تقریریں' صراحتیں یا فرمودات نہ دیکھیں تو اس جملے میں کچھ نہ کچھ سیکولرازم کی بو ہے' لیکن یاد رہے کہ قرآن مجید بھی اگر آپ سیاق و سباق کے بغیر پڑھیں تو مفہوم بدل جائے گا مثلاً ﴿ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ ﴾ "نماز کے قریب مت جاؤ۔" اس سے اگلے الفاظ اگر ساتھ شامل نہ کریں ﴿ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ﴾ "جب کہ تم نشے کی حالت میں ہو" تو آپ یہ دلیل نکال سکتے ہیں کہ بس نماز کے قریب نہیں جانا کیونکہ قرآن میں لکھا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا کوئی حکم منسوخ ہو گیا ہو اور آپ اس کو لے کر بیٹھے ہوئے ہوں۔ مثلاً پہلے وصیت فرض تھی کہ ہر مسلمان اگر وہ کوئی مال چھوڑ رہا ہو تو مرتے وقت وصیت کر کے جائے اپنے والدین کے لئے بھی اور رشتہ داروں کے لئے بھی۔ اس کے بعد قانون وراثت آگیا اور یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب اگر کوئی شخص اس

منسوخ شدہ حکم کو لے کر بیٹھا ہوا ہے تو یہ درحقیقت اس کی غلطی ہے جو وہ جان بوجھ کر کر رہا ہے' وہ دھوکے باز ہے یا جاہل ہے۔ بعینہٖ قائداعظم کے اس ایک جملہ کو اگر سیاق و سباق کے بغیر دیکھا جائے تو اس سے سیکولرازم کی بو آتی ہے۔ اس جملے کی اب میں وہ تاویل آپ کو بتاتا ہوں۔

قائداعظم اور علامہ اقبال کے ایک بہت بڑے عاشق تھے غلام احمد پرویز' مدیر طلوع اسلام۔ اگرچہ ہمیں ان سے شدید اختلاف ہے' وہ منکر سنّت تھے' جن کے نزدیک صرف قرآن کافی ہے' سُنّتِ رسول صرف اپنے دور میں واجب الاطاعت تھی' اس لئے کہ حضور ﷺ امیر کی حیثیت سے مرکزِ ملّت تھے' لہٰذا قرآن حکیم میں اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ جہاں آتا ہے وہاں ان کے نزدیک صرف صحابہ سے خطاب ہے' ورنہ بعد کے مسلمانوں کے لئے حضور ﷺ کی سنّت لازم نہیں ہے' بلکہ صرف قرآن لازم ہے۔ اس بنا پر ہم انہیں گمراہ سمجھتے ہیں۔ تقریباً ۳۰ سال پہلے بنوری ٹاؤن سے ۵۰۰ علماء کا فتویٰ چھپا تھا جس میں غلام احمد پرویز کی تکفیر کی گئی تھی اور اسے غیر مسلم قرار دیا گیا تھا' جو بالکل درست تھا' کیونکہ سنّت کا اس طرح سے انکار دائرہ اسلام سے خارج دیتا ہے۔ لیکن یہ ان کی شخصیت کا ایک پہلو ہے۔ ان کی شخصیت کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ کٹر مسلم لیگی تھے' ابتدا میں وہ سرکاری ملازم تھے' دہلی سکرٹیریٹ میں کام کرتے تھے اور سکرٹیریٹ کی مسجد میں خطیب تھے۔ پاکستان اور مسلم لگ کے حق میں بڑی تقریریں کرتے تھے' بڑے اچھے انشاء پرداز تھے۔ قائداعظم اور علامہ اقبال دونوں کے انتہائی عاشق تھے اور مرتے دم تک رہے۔ انہوں نے اس جملے کے بارے میں عجیب بات کہی ہے۔ انہوں نے یہ کہا کہ محسوس ایسا ہوتا ہے کہ قائداعظم پر تقسیم ہند کے واقعات کا بہت اثر تھا۔ یعنی جو خون کی ندیاں بہیں اور جو مہاجرین کا سیلاب آیا تھا' دوسری طرف خزانہ خالی تھا (وہ تو سر آدم جی نے قائداعظم کو ایک بلینک چیک دیا جس سے مرکزی ملازمین کی تنخواہیں ادا ہو سکیں) فنڈز انڈیا نے روک لئے تھے' ہمارے ہتھیار بھی انڈیا نے روک لئے تھے۔ وہ تو بعد میں گاندھی نے مرن بھرت رکھوا کر ہمارے فنڈز ریلیز کروائے تھے۔ تو پرویز کا کہنا یہ ہے کہ ان حالات میں قائداعظم

کے اعصاب جواب دے گئے اور اس گھبراہٹ میں اور اس اعصابی کمزوری میں یہ جملہ ان کی زبان سے نکل گیا۔ میں اس سے اختلاف کرتا ہوں۔ میرے نزدیک قائداعظم بہت مضبوط شخصیت کے حامل آہنی اعصاب کے مالک تھے۔

میرے نزدیک ان کے اس جملے کی تاویل یہ ہے کہ ان کا خیال یہ تھا کہ جب ہم نے مسلم اکثریت کا ملک بنالیا تو اب سیکولرازم یا مغربی ڈیموکریسی کے اصول سے بھی یہاں اسلام آسکتا ہے۔ آخر مغربی ڈیموکریسی کا اصول یہی تو ہے کہ جو عوام کی اکثریت چاہے گی وہ قانون بن جائے گا۔ اگر عوام کے ۵۱ فیصد نمائندے کہتے ہیں کہ شراب پر پابندی لگادی جائے تو لگ جائے گی۔ وہی ۵۱ فیصد کہہ دیں کہ ہٹادو تو پابندی ہٹ جائے گی۔ اگر ۵۱ فیصد کہہ دیں کہ زنا پر پابندی ہونی چاہئے تو قانون بن جائے گا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر ہندوستان متحدہ صورت میں آزاد ہوتا تو وہاں اسلامی قانون کے نفاذ کا اور اسلامی نظام کے قیام کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ وہاں ہندو اکثریت میں تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ قائداعظم اس کا منفی پہلو بھی دیکھ رہے تھے کہ اگر پاکستان نہ بنا تو ہندوستان سے مسلمان اور اسلام کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ میرا بھی خیال ہے کہ اگر ہم نے پاکستان میں اسلام نافذ نہ کیا تو اس خطے میں مسلمانوں کا وجود باقی نہیں رہے گا اور یہ بالکل ایسے ہو گا جیسے ہسپانیہ میں ہو چکا ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ہسپانیہ میں بھی ۸۰۰ برس مسلمانوں نے حکومت کی اور یہاں بھی ہندوستان کے اکثر حصے پر مسلمانوں نے ۸۰۰ برس حکومت کی۔ اور آپ کے علم میں ہو گا کہ یہ آر ایس ایس اور بی جے پی کے لوگ ہسپانیہ وفد بھیجتے رہے کہ وہاں جاکر ریسرچ کریں کہ انہوں نے مسلمانوں کو کیسے ختم کیا تھا' مسلمانوں کا نام و نشان کیسے مٹایا تھا' تاکہ ہم بھی یہاں ان کا نام و نشان مٹادیں۔ ان ہندوؤں کے یہ عزائم تھے اور اب بھی ہیں۔

دوسری طرف مثبت طور پر سوچئے کہ اگر ان کے یہ عزائم نہ بھی ہوں تب بھی سیدھی سی بات ہے کہ مسلمان اگر وہاں پارلیمنٹ کے اندر آبھی جائیں تو وہاں اقلیت میں ہوں گے' وہ کوئی اسلامی قانون کیسے بنائیں گے؟ لیکن جب ہم نے ایک ملک بنالیا جہاں

مسلمان واضح اکثریت میں ہیں تو میرا یہ خیال ہے کہ قائداعظم نے یہ خیال کیا کہ ہم نے اس وقت اگر اسلام کا زیادہ ڈھنڈورا پیٹا جبکہ پوری دنیا میں اس وقت سیکولرازم کی رو چل رہی ہے تو عالمی سطح پر ہماری مخالفت ہو گی۔ اور شاید قائداعظم کو یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ اس وقت صیہونیت جس عروج پر آ گئی ہے اور اس نے فرنگ کی رگِ جاں اپنے پنجے میں لے لی ہے۔ چنانچہ قائداعظم یہ دیکھ رہے تھے کہ اگر ہم نے اسلام کا زیادہ راگ الاپا تو پوری دنیا ہمارے خلاف متحد ہو جائے گی۔ لہٰذا انہوں نے مصلحت اس میں سمجھی کہ اب چونکہ یہاں اکثریت مسلمانوں کی ہو گی تو سیکولر ڈیموکریسی کے اصول کے تحت بھی اسلام یہاں آ سکتا ہے' کیونکہ جب مسلمان چاہیں گے تو لازماً اسلامی قوانین ہی بنیں گے' جب پارلیمنٹ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو گی تو قرآن و سُنّت کے مطابق قانون سازی سے کون روک سکتا ہے۔ مغربی جمہوریت کا اصول تو یہی ہے کہ اکثریت ہی حاکم ہو گی اور اکثریت ہی قانون سازی کرے گی۔ اس حوالے سے انہوں نے سمجھا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ اس وقت فوری طور پر اسلام کا ڈھنڈورا نہ پیٹیں بلکہ وہی جو دنیا میں اصول کارفرما ہے اسی کو اختیار کر لیں' اس کے تحت خود بخود اسلام آ جائے گا۔ میں اسے یوں کہتا ہوں "Establishment of Islam through democracy through secularism" قائداعظم کا اندازہ بھی یہی تھا اور آپ کو معلوم ہے کہ یہی ہوا' جب اکثریت نے ۱۹۴۹ء میں مطالبہ کیا تو قراردادِ مقاصد پاس ہو گئی اور اُس دور میں جبکہ پوری دنیا میں سیکولرازم کا ڈنکا بج رہا تھا' پاکستان کی پارلیمنٹ نے زبانِ حال سے گویا یہ اعلان کیا ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری!

وہ بھی عوامی دباؤ ہی تھا جس کے تحت ۱۹۵۶ء کے دستور میں کچھ اسلامی دفعات شامل ہوئیں۔ اسی طرح یہ بات آگے چلتی۔ وہ تو ایوب خان نے اس دستور کا بستر ہی لپیٹ دیا اور از سرِ نو بنیادی جمہوریت کا نظام لے کر آئے۔ ایوب خان تو چاہتا تھا کہ پاکستان کے نام

کے ساتھ بھی اسلام کا لفظ استعمال نہ ہو' یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان نہیں بلکہ صرف جمہوریہ پاکستان' لیکن یہ عوامی دباؤ ہی تھا جس کی وجہ سے باوجود ڈکٹیٹر ہونے کے وہ ایسا نہیں کر سکا۔

البتہ اُس وقت مذہبی جماعتوں سے ایک بہت بڑی بھول ہوئی کہ بجائے اس کے کہ پریشر گروپس کی حیثیت سے ایوب حکومت کو مطالبات کے ذریعے اسلام کی طرف دھکیلتے رہتے' مثلاً مطالبہ کیا جاتا کہ اسلامی قانون بناؤ' دستور میں قرآن و سُنّت کو سپریم لاء قرار دو' لیکن اس کی بجائے انہوں نے الیکشن اور پاور پالیٹکس کے کھیل میں شامل ہو کر اپنی ساری توانائیاں ضائع کر دیں۔ یہ نہ ہوتا اور عوامی مطالبات چلتے رہتے' جیسے مولانا مودودیؒ نے اسلامی دستور کے اصولوں کا مطالبہ کیا تھا کہ اب اسلامی دستور کے اصول طے کر لینے چاہئیں' تو دستور کی گاڑی اسلام کی پٹڑی پر چڑھ جاتی۔ اُس وقت تک چونکہ جماعت اسلامی نے کسی الیکشن میں حصہ نہیں لیا تھا اور وہ معروف معنی میں پولٹیکل پارٹی نہیں تھی' چنانچہ مسلم لیگیوں نے اس کا ساتھ دیا اور جماعت اسلامی کا مطالبہ عوامی مطالبہ بن گیا' بوریاں بھر بھر کر خطوط دستور ساز اسمبلی کے سپیکر کی میز پر رکھے جانے لگے۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ تو جماعت کے آدمی نہیں تھے' لیکن انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ذریعے قرارداد مقاصد پاس کروانے میں انتہائی اہم کردار ادا کیا۔ یہ مسئلہ اگر انہی خطوط پر چلتا رہتا تو بہت سارے مطالبات منظور کروائے جا سکتے تھے' لیکن ان جماعتوں کا یہ خیال تھا کہ اگر ہمارے ہاتھ میں حکومت آ گئی تو نظام تعلیم بھی ہمارے ہاتھ میں ہو گا' ذرائع ابلاغ بھی ہمارے ہاتھ میں ہوں گے' پھر ہم قوم کو transform کر لیں گے' قوم کی سوچ اور اس کے اخلاق و کردار کی تعمیر کر لیں گے' لیکن حکومت آج تک ہاتھ نہیں آئی' ۵۴ برس گزر چکے ہیں اور ابھی تک اس کے کوئی آثار بھی نہیں ہیں۔ بہرحال یہ مذہبی جماعتوں کا بہت بڑا blunder تھا۔ اور مولانا مودودیؒ نے جو بہت بڑا سنہری کارنامہ سرانجام دیا تھا یعنی دستور کا مطالبہ لے کر اٹھے' جس کے نتیجے میں قرارداد مقاصد پاس ہوئی' انہی سے یہ ہمالیہ جیسی بڑی غلطی بھی ہو گئی کہ ۱۹۵۱ء میں انہوں نے پنجاب کے الیکشن میں حصہ لیا جس سے

جماعت اسلامی ایک پولٹیکل پارٹی بن گئی۔ اب ظاہر بات ہے کہ مسلم لیگ یا کوئی اور جماعت ان کا ساتھ کیسے دیتی؟ ان کے دیکھا دیکھی دوسرے مذہبی گروپ بھی میدان سیاست میں اتر آئے۔ جمعیت علماء پاکستان نے سمجھا کہ ہم سواد اعظم ہیں' اگر جماعت اسلامی والے اسلام کے نام پر ووٹ مانگ سکتے ہیں تو ہمارا حلقہ تو زیادہ بڑا ہے۔ اسی طرح سب اس پاور پالیٹکس میں آگئے۔ اب وہ سب کے سب اسلام کے نام پر ووٹ مانگنے لگے تو جو اسلامی ذہن رکھنے والے ووٹ تھے وہ تقسیم ہو گئے۔ اس کا فائدہ سیکولر قوتوں کو ہوا اور سیکولر ووٹ کے نتیجے میں جمہوریت آگئی۔

حاصل یہ ہوا کہ میں نے قائداعظم کے اس جملے کی جو توجیہہ آپ کے سامنے بیان کی ہے وہ بھی یہی تھی کہ قائداعظم بظاہر اس سیکولر اور ڈیموکریٹک اصول کے تحت چاہتے تھے کہ اسلام آجائے' بجائے اس کے کہ ہم اسلام کا ڈھنڈورا پیٹیں۔ اگرچہ مجھے اس سے اختلاف ہے۔ دیکھئے اختلاف ہونا اور بات ہے' قائداعظم کی کسی بات سے ہم اختلاف کر سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے کوئی مسلمان اختلاف کر سکتا تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے بھی کوئی مسلمان اختلاف کر سکتا تھا اور انہوں نے کیا۔ قائداعظم تو ظاہر ہے کوئی صحابی نہیں' امام معصوم نہیں' ان سے اختلاف ہم کر سکتے ہیں۔ مجھے اختلاف ہے کہ انہیں یہ نہیں کرنا چاہئے تھا بلکہ پہلے دن سے انہیں اپنے ہاتھ سے اسلامی نظام کی بنیاد رکھ دینی چاہئے تھی۔ بہرحال انہوں نے مصلحت یہ سمجھی کہ جب مسلمان اکثریت میں ہیں' مسلمان چاہیں گے تو یہاں لازماً اسلام آئے گا' انہیں کون روک سکتا ہے۔ یہ میری توجیہہ ہے اس جملے کے متعلق۔ حال ہی میں مجھے ایک برطانوی کا قول ملا ہے کہ جو سو فیصد میری اس توجیہہ کی تائید کر رہا ہے کہ دراصل ۱۹۴۶ء میں تقسیم ہند سے ڈیڑھ سال پہلے برطانوی پارلیمنٹ کا ایک دس رکنی وفد یہاں کے سیاسی حالات کا مطالعہ کرنے کے لئے ہندوستان آیا کہ کون کون سی جماعتیں ہیں' لوگوں کے موقف کیا ہیں؟ اس وفد کا قائد رابرٹ رچرڈ تھا۔ اس وفد کے ایک رکن مسٹر سورنسن (Sorenson) نے برطانیہ واپس جا کر ایک کتاب لکھی "My Impression in India" اس نے لکھا ہے

۱۰ جنوری ۱۹۴۶ء کو اس کی ملاقات قائداعظم سے ہوئی۔ قائداعظم کے بارے میں اس نے جو الفاظ لکھے ہیں وہ ملاحظہ کیجئے۔ میں حیران رہ گیا کہ میری مذکورہ بالا توجیہہ جو میں نے اپنی "استحکام پاکستان" نامی کتاب میں کی ہے سو فیصد اس کے مطابق ہے۔ سورنسن لکھتا ہے :

"He (Mr. Jinnah) is a sword of Islam resting in a secular scabbard sheath."

"یہ شخص (محمد علی جناح) اسلام کی تلوار ہے' اگرچہ یہ تلوار جس نیام میں رکھی ہوئی ہے وہ سیکولر ہے"۔ یعنی مزاج' بودوباش' وضع قطع کے اعتبار سے قائداعظم کوئی مولوی نہیں تھے' مغربی تہذیب کا سارہن سہن تھا۔ لیکن اس انگریز مصنف نے دیکھ لیا کہ وہ اسلام کی تلوار تھے۔ میرے نزدیک اس نے واقعتاً حقیقت کو دیکھا ہے۔

مغرب کا معاشی نظام' قائداعظم کی نظر میں

میں نے آپ کے سامنے مغربی جمہوریت کے بارے میں قائداعظم کے تصورات رکھ دیئے ہیں' اسی طرح میں چاہتا ہوں کہ مغرب کے معاشی نظام کے بارے میں قائداعظم کے خیالات بھی آپ کے سامنے رکھوں۔ اقبال نے بھی مغرب کے معاشی نظام کی دھجیاں بکھیری ہیں۔ اقبال کی عقابی نگاہیں تو یہاں تک پہنچی ہیں کہ وہ کہتے ہیں ؎

ایں بنوک ایں فکر چالاکِ یہود
نورِ حق از سینہ آدم ربود

کہ یہ جو بینکنگ سسٹم ہے یہ یہودیوں کے دماغ کی پیداوار ہے۔ ان بینکوں نے آدم کے سینے سے نورِ حق نکال کر پھینک دیا ہے۔ اس کی نورانیت اور روحانیت ختم کر دی ہے۔

تا تہہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام!

جب تک یہ بینکوں کا نظام تہہ و بالا نہیں ہو گا یعنی جب تک اسے ختم نہیں کیا جائے گا' اس کی دھجیاں نہیں بکھیریں جائیں گی' اس وقت تک دانش (Wisdom) تہذیب اور دین

کے اثرات ظاہر ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔
اب دیکھئے قائداعظم نے یکم جولائی ۱۹۴۸ء کو سٹیٹ بینک آف پاکستان کے ایک ریسرچ سیل کے افتتاح کے موقع پر اپنے خطاب میں کیا فرمایا۔ دراصل قائداعظم نے سٹیٹ بینک میں ایک شعبہ قائم کیا تھا تاکہ ریسرچ کی جائے کہ ملک کا معاشی نظام اسلام کی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ اس موقع پر قائداعظم فرمارہے ہیں :

"میں اشتیاق اور دلچسپی سے معلوم کرتا رہوں گا کہ آپ کی مجلس تحقیق بینکاری کے ایسے طریق کیونکر وضع اور اختیار کرتی ہے جو معاشرتی اور اقتصادی زندگی کے اسلامی تصورات کے مطابق ہوں۔ مغرب کے معاشی نظام نے انسانیت کیلئے لاینحل مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ مغربی نظام افراد انسانی کے مابین انصاف کرنے اور بین الاقوامی میدان میں آویزش اور چپقلش دور کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اگر ہم نے مغرب کا معاشی نظام اور نظریہ اختیار کیا تو عوام کی پُرسکون خوشحال زندگی حاصل کرنے کے اپنے نصب العین میں ہمیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ اپنی تقدیر ہمیں اپنے منفرد انداز میں بنانی پڑے گی۔ ہمیں دنیا کے سامنے مثالی معاشی نظام پیش کرنا ہے جو مساوات اور معاشرتی انصاف کے سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر قائم ہو۔ ایسا نظام پیش کر کے گویا ہم مسلمان کی حیثیت میں اپنا فرض سرانجام دیں گے' اور انسانیت کو سچے اور صحیح امن کا پیغام دیں گے۔"

یہ نقشہ قائداعظم کے ذہن میں تھا جس کی بنیاد پر وہ یہاں کا معاشی نظام چاہتے تھے۔ اسی طرح وہ یہاں ڈیموکریسی کا ایسا نظام چاہتے تھے جس کے ذریعے یہاں اسلام کے مکمل کوڈ آف لائف کو قائم کیا جا سکے۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک ان کی ساری جدوجہد کے دوران سوائے اس ایک جملے کے کوئی ایسی بات نہیں ملتی جو سیکولرازم کی حمایت کرتی ہو' لیکن افسوس پہلے اس جملے کو لے کر جسٹس منیر صاحب ناچتے رہے' اب اسی جملے کو لے کر مسٹر کاؤس جی ناچ رہے ہیں۔ ان کے خیالات کو اخبارات میں کوریج دی جارہی ہے اور ایک دانشور ہونے کے ناطے سے "ڈان" جیسا اخبار جو مسلم لیگ کا نقیب تھا' جسے قائداعظم محمد علی جناح نے جاری کیا تھا' اس میں ان کے تصورات کے بالکل منافی تصورات پیش کئے جا

رہے ہیں۔ اصل حقیقت کے اوپر پردے ڈال دیئے گئے ہیں' ملمع چڑھا دیا گیا ہے۔ میں نے آغاز ہی میں سورۃ البقرہ کی اس آیت کا حوالہ دیا تھا : ﴿ وَلاَ تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ ﴾ آج کی صورت حال میں اس آیت کی تعبیر یہ ہو گی کہ تمہیں معلوم ہے کہ پاکستان کا کیا نظریہ تھا' تم حقیقت کے اوپر جھوٹ کا لباس نہ چڑھاؤ' پردے نہ ڈال دو اور اصل حقیقت کو مت چھپاؤ۔

وقت کی اہم ضرورت اور ہماری ذمہ داری

آج اس بات کی ضرورت ہے کہ نظریہ پاکستان کے تحفظ کے لئے ایک مہم چلائی جائے' اس کی ایک جدوجہد ہو' اس کے لئے لوگ وقت نکالیں' پیسے خرچ کریں۔ ورنہ اگر ہمارا نظریہ ہم سے چھن گیا تو جان لیجئے پاکستان کی وجہ جواز کیا رہ جائے گی؟ پاکستان کی واحد وجہ جواز اسلام ہے۔ اس سے ہم نے پیٹھ دکھا دی تو ایک حصہ تو ہم سے پہلے ہی علیحدہ ہو گیا تھا' اب پتا نہیں اس کے کتنے حصے اور ہوں گے اور ع "اڑائے کچھ ورق لالے نے' کچھ نرگس نے' کچھ گل نے" کے مصداق اللہ نہ کرے کہ کوئی سندھو دیش' کوئی پختونستان' کوئی کراچی کے اندر لیاقت پور قائم ہو جائے۔ لیکن اگر یہاں اسلام نہ آیا' جیسے قائداعظم نے کہا تھا کہ اگر پاکستان نہ بنا تو ہندوستان کی سرزمین سے اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیا جائے گا' اسی طرح جان لیجئے میں دعوے سے کہہ رہا ہوں کہ اگر یہاں اسلام نہ آیا اور قائداعظم اور علامہ اقبال کے نظریات کے مطابق یہاں حریت و اخوت و مساوات کے اصولوں پر مبنی خلافت راشدہ کا نظام قائم نہ ہوا تو یہ ملک باقی نہ رہ سکے گا۔

اسلام کے عادلانہ نظام کے اصولوں کے بارے میں قائداعظم کے یہ الفاظ آپ نے ملاحظہ کئے :

"Liberty, equality, fraternity, freedom and justice"

اسلام کے ان اصولوں کے ضمن میں میں نے اپنی سیرت کی تقاریر میں بارہا ایچ جی ویلز کا حوالہ دیا ہے۔ ایچ جی ویلز جیسا شاتم رسول جس نے حضور ﷺ کی ذات گرامی پر

اس طرح کے رکیک حملے کئے ہیں جیسے سلمان رشدی نے کئے ہیں' لیکن وہ بھی ایک وقت پر آ کر گویا گھٹنے ٹیک کر آپ ﷺ کی تعریف کرنے پر مجبور ہے۔ اس نے اپنی کتاب "A Concise History of the World" میں خطبہ حجۃ الوداع کا کافی بڑا حصہ نقل کیا ہے اور اس کے بعد وہ لکھتا ہے :

> *"Although the sermons of human fraternity, freedom and equality were said before also. We find a lot of such sermons in Jesus of Nazarat, but it must be admitted that it was Muhammad (P.B.U.H) who for the first time in history established a society based on these principles.*

یعنی اگرچہ انسانی اخوت' حریت اور مساوات کے وعظ تو دنیا میں پہلے بھی بہت کہے گئے ہیں اور مسیح ناصریؑ کے ہاں بھی ایسے بہت سے وعظ ملتے ہیں' لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں کہ یہ کارنامہ محمد (ﷺ) کا ہے کہ آپؐ نے تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ ان اصولوں پر مبنی ایک معاشرہ قائم کر کے دکھایا ہے۔ اس نے گویا گھٹنے ٹیک کر یہ خراج تحسین ادا کیا ہے۔ البتہ میں یہ نوٹ کرا دیا کرتا ہوں کہ اب جو کتاب دستیاب ہے اس میں نئے مرتبین نے edit کرتے ہوئے یہ جملہ نکال دیا ہے۔ ان کے حلق سے یہ کڑوی گولی نہیں اتری کہ ایچ جی ویلز نے اچھی اور سچی بات کیسے کہہ دی۔ آپ کو پنجاب یونیورسٹی لائبیری یا پنجاب پبلک لائبریری میں پرانے ایڈیشنوں میں یہ الفاظ مل جائیں گے۔

آج کا ہمارا تحریک خلافت کا جلسہ منعقد کرنا ایک کوشش ہے کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کیا جائے۔ ازروئے الفاظ قرآنی ﴿ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ "کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کیا جائے چاہے یہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو"۔ آج مجرم وہ ہیں جو اسلام کے عادلانہ نظام کے بجائے سیکولرازم چاہتے ہیں۔ قادیانی سیکولرازم چاہتے ہیں' عیسائی' پارسی اور ہندو سیکولرازم چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ یہاں اسلام کا نظام آئے۔ یہودی نہیں چاہتے' امریکہ نہیں چاہتا۔ پوری دنیا میں اسلامی بنیاد پرستی کا خوف ہے اور پاکستان سے بھی انہیں یہ خوف لاحق ہے۔ اگرچہ انہیں معلوم ہے کہ حکومتیں تو یہاں سیکولر قسم کی رہی ہیں' لیکن یہاں کے عوام کے اندر بنیاد پرستی کے

"جراثیم" موجود ہیں اور کسی بھی وقت یہ لاوا پھٹ سکتا ہے۔ لہٰذا وہ تو نہیں چاہتے' لیکن ہمیں تو حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کرنا ہے' چاہے یہ مجرموں کو کتنا ہی ناپسند ہو۔ میں یہ چاہوں گا کہ اس تحریک میں آپ بھی حصہ لیں اور اس خطاب کے ویڈیو اور آڈیو کیسٹ کثیر تعداد میں لوگوں تک پہنچائیں۔ اپنے طور پر اجتماع منعقد کیجئے' لوگوں کو بلایئے' کھانا کھلایئے' چائے پلایئے اور ویڈیو کیسٹ دکھایئے۔ حضور ﷺ نے جب پہلی مرتبہ دعوت دی تھی تو دو مرتبہ بنو ہاشم کے لوگوں کو کھانا کھلایا تھا۔

دوسرے یہ کہ تحریک خلافت' جس کے تحت یہ جلسہ ہوا ہے یہ تحریک خلافت ہم نے قائم کی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ تحریک پاکستان کو جو جماعت لے کر چل رہی تھی اس کا نام مسلم لیگ تھا۔ اس حوالے سے نظام خلافت کے قیام کے لئے جو جماعت میں نے قائم کی ہے وہ تنظیم اسلامی ہے۔ لیکن تنظیم اسلامی کے نظم کی بنیاد بیعت سمع و طاعت فی المعروف ہے اور یہ معاملہ لوگوں پر ذرا کٹھن گزرتا ہے۔ اس کے لئے آدمی بہت سوچ سمجھ کر ہی قدم اٹھاتا ہے۔ اس لئے بھی کہ اس ضمن میں لوگ بہت سے مغالطوں کا شکار ہیں' ان پر میں اس وقت گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن جماعت سازی کی جو منصوص' ماثور اور مسنون بنیاد ہے وہ بیعت ہے اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ہم نے اس تحریک خلافت کا آغاز کیا ہے۔ آپ اس میں شمولیت اختیار کریں اور اس راہ میں انفاق کریں۔ ہمیں پبلک کو ایجوکیٹ کرنا ہے اور اب جو یہ ایسے مغالطے پیدا کئے جائیں گے تو انہیں رفع کرنا ہے' اور مثبت طور پر لوگوں کو بتانا ہے کہ نظام خلافت کیا ہے۔ اس ضمن میں میں نے پانچ "خطبات خلافت" دیئے تھے' جو اب ایک کتاب کی شکل میں مطبوعہ موجود ہیں۔ اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ عام کیجئے' میری آج کی تقریر کے حوالے سے کتاب "استحکام پاکستان" کو عام کیجئے۔ اس کے لئے اول تو آپ تنظیم اسلامی میں شامل ہوں' جس کی بنیاد بیعت سمع و طاعت فی المعروف ہے۔ یعنی شریعت کے دائرے کے اندر اندر جو حکم میں دوں گا ماننا پڑے گا' اس کا عہد کرنے والا آدمی تنظیم اسلامی میں آ سکتا ہے۔ لیکن آپ اگر ابھی اس کے لئے ذہناً تیار نہیں ہیں تو تحریک خلافت کا فارم پُر کیجئے۔ ایک کاڈر اس کے محسنین کا ہے جو ۵۰۰ روپے ماہانہ ادا کرتے ہیں۔ اور ایک اس کے عام ارکان ہیں جو ۱۰۰ روپے ماہانہ ادا کرتے ہیں۔ اس تحریک میں زیادہ سے

زیادہ تعداد میں شامل ہوں تاکہ اس کے جمع ہونے والے فنڈ سے ہم خلافت کی برکات بھی لوگوں میں عام کریں' خلافت کو قائم کرنے کا طریقہ کار بھی بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ خلافت کی اصل حقیقت کیا ہے اور حضور ﷺ پر ختم نبوت کے بعد خلافت کی نوعیت میں کیا تبدیلی آئی ہے' عصر حاضر میں اب جو خلافت قائم ہوگی اس میں خلافت راشدہ سے کوئی فرق ہوگا یا نہیں ہوگا؟ چودہ سو برس بیت گئے ہیں' بہت سا پانی وقت کے دریا میں بہہ گیا ہے' لہٰذا اس کے نقشے کے اندر کیا تبدیلی آئے گی۔ یہ ساری چیزیں ہمیں عام کرنی ہیں اور اس کے لئے یہ تحریک خلافت ہے۔

تحریک خلافت کے زیر اہتمام ہم نے بہت سی مطبوعات بھی شائع کی ہیں۔ ''نوید خلافت'' کے نام سے ہمارا ایک پمفلٹ ہے جو میں ایک لاکھ سے زیادہ شائع کرچکا ہوں' جس میں احادیث کی روشنی میں خبر دی گئی ہے کہ پوری دنیا میں قیامت سے قبل نظام خلافت راشدہ (خلافت علیٰ منہاج النبوہ) قائم ہوگا اور یہ کہ اس کا نقطۂ آغاز یہی خطہ ہے جس میں مجھے اور آپ کو اللہ نے پہنچایا ہے۔ یہ ہمارے لئے بہت بڑا موقع ہے۔ ہم کبھی کبھی سوچا کرتے ہیں کہ کاش ہم حضور ﷺ کے زمانے میں پیدا ہوئے ہوتے تو ہمیں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہو جاتا۔ لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی مثال بارش کی سی ہے' جس کے بارے میں نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا پچھلا حصہ زیادہ بہتر ہوتا ہے یا پہلا' یعنی میری امت کا آخری حصہ بھی بہت بلند مقام کا حامل ہوگا۔ اس لئے کہ اس کے دور میں پھر پوری دنیا میں خلافت کا نظام قائم ہوگا۔ تو اب ہمارے لئے موقع ہے کہ اس کے لئے جدوجہد کریں۔ ﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ یعنی ہم طے کرلیں کہ جیسے میری نماز اور میری قربانی اللہ کے لئے ہے ایسے ہی میرا جینا اور مرنا بھی اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ میری اس محنت کو قبول فرمالے اور آپ نے بھی یہاں جو وقت لگایا ہے' جو مشقت جھیلی ہے اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور آپ کو اس تحریک خلافت کا متحرک کا رکن بننے کی توفیق عطا فرمائے۔

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات

توحیدِ عملی

کافریضہ اقامتِ دین سے ربط و تعلّق

سورۃ الشوریٰ ۱۳ تا ۲۱ کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

مرتب : شیخ جمیل الرحمٰن مرحوم

(چوتھی قسط)

دین اللہ کا قیام مشرکین پر بھاری ہوتا ہے

نزولِ قرآن کا پس منظر اور تاویلِ خاص

اولاً قرآن مجید ایک خاص دور (۶۱۰ عیسوی سے لے کر ۶۳۲ عیسوی تک) جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوا۔ دوسرے یہ کہ ایک خاص ملک یعنی عرب میں پورا کا پورا قرآن نازل ہوا۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کے اوّلین مخاطب محمد رسول اللہ ﷺ' پھر آنحضورؐ کے توسط سے اوّلین مخاطب وہی لوگ تھے جو عرب میں آباد تھے۔ لہٰذا قرآن حکیم کی ایک تفسیر اس انداز میں کریں گے کہ جب فلاں آیت یا فلاں سورت نازل ہوئی تو اس خاص پس منظر (Immediate Spectacle) میں اس کا کیا مفہوم سمجھا گیا؟ ہمیں اس آیت یا آیات یا سورت کو اس خاص پس منظر میں رکھ کر غور کرنا ہوگا کہ یہ کب نازل ہوئی! کس مرحلہ پر نازل ہوئی! اُس وقت اس کا مفہوم کیا سامنے آیا! اس پر کیا عمل ہوا! یہ ہوگی تاویلِ خاص۔

تاویلِ عام

لیکن قرآن حکیم صرف اس دور کے لئے نازل نہیں ہوا' بلکہ ابد الآباد تک کے لئے

ہدایت و رہنمائی ہے۔ صرف عربوں کے لئے نہیں پوری نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ ھُدًی لِلنَّاسِ ہے۔ لہٰذا دوسری تاویل ہو گی تاویلِ عام ـــــ جس کے لئے مفسرین کا اصول یہ ہے کہ الاعتبار لعموم اللفظ لا لخصوص السبب۔ خاص حالات جن میں آیتیں یا سورتیں نازل ہوئیں' ان کو سامنے رکھ کر نہیں' بلکہ الفاظ کو دیکھ کر اُن کے عموم سے جو مطلب اخذ کیا جائے گا وہ قرآن مجید کا ابدی مفہوم و مطلب ہو گا۔ لیکن اس تاویلِ عام کے لئے ضروری ہے کہ انسان تاویلِ خاص کو سمجھ لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عام تاویل میں قرآن کے منشاء سے بہت دور چلا جائے۔ اس کا امکان ہے اور غالب امکان ہے۔ لہٰذا پہلے تاویلِ خاص کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ پھر یہ کہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اس سے جو عام اصول نکل رہے ہوں یا استنباط کئے جا سکتے ہیں تو ان کو پلے باندھ لینا چاہئے کہ یہ ہے قرآن مجید کی ابدی رہنمائی ـــــ یہ ربط و تعلق ہے تاویلِ خاص اور تاویلِ عام کا۔

اب تاویلِ خاص کے اعتبار سے اس پس منظر کو دیکھئے کہ جب یہ آیت نازل ہو رہی ہے کہ اے محمد (ﷺ) کے مخاطبو! جن تک حضور ﷺ دعوتِ توحید پہنچا رہے ہیں' یا اے محمد ﷺ کے نام لیواؤ! جنہوں نے اس دعوتِ توحید پر لبیک کہا ہے' اسے قبول کر لیا ہے' "تمہارے لئے ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جو حضرت نوح کو دیا' حضرت ابراہیم' حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ کو دیا (علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) اور جو اَب ہم نے وحی کیا ہے محمد (ﷺ) کی جانب۔ اور تمہارا فرض کیا ہے؟" "یہ کہ اس دین کو قائم کرو اور اس کے بارے میں تفرقہ میں نہ پڑو" ـــــ اب سمجھئے کہ کون کون لوگ اُس وقت عرب میں تھے جو نبی اکرم ﷺ کے مخاطبین تھے۔

اوّلین مخاطب مشرکین عرب

سب سے پہلے مخاطب تو مشرکین عرب تھے جو ہدایتِ ربانی سے بہت دور جا چکے تھے۔ ان کے پاس کوئی آسمانی ہدایت یا کوئی آسمانی کتاب موجود نہیں تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر و بیشتر عرب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ یہ عرب مستعربہ کہلاتے ہیں۔ ان میں کچھ عرب عاربہ ہیں' یعنی اصل عرب کے پرانے رہنے والے۔ اس لئے کہ حضرت

اسمٰعیل علیہ السلام تو اصل عرب کے رہنے والے نہیں تھے۔ وہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے ہیں جن کا اصل وطن تو عراق تھا۔ جنہوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو عرب میں آباد کیا تھا۔ بمصداقِ آیت قرآنی : ﴿ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ...... ﴾ (ابراہیم : ۳۷) لہٰذا خود حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور اُن کی ذریت عرب مستعربہ کہلاتی ہے۔ یعنی عرب بن گئے ہیں' اصل عرب نہیں ہیں۔ یمن وغیرہ سے جو قبائل نکلے وہ اصل عرب ہیں۔ مدینہ میں اوس و خزرج کے دونوں قبیلے اصلاً یمنی تھے جو وہاں آکر آباد ہوئے۔ ان کا تعلق عرب عاربہ سے تھا۔ ایک تو یہ قبائل ہیں۔ لیکن ان پر اور عرب کے تمام قدیم قبائل پر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا اتنا اثر ہوا کہ ان سب لوگوں نے اپنے آپ کو دین ابراہیمی پر ہی قرار دے دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک لقب حنیف بھی تھا۔ قرآن میں بھی آنجنابؑ کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا تمام عرب خود کو ملت حنیفی پر عمل پیرا قرار دیتے تھے اور بنی اسمٰعیل کہلاتے تھے۔ پھر یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس نسل میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد نبی کوئی نہیں آیا' قریباً ڈھائی ہزار برس کے دوران کوئی نبی نہیں' کوئی رسول نہیں' کوئی کتاب نہیں۔ جبکہ آپؑ کی دوسری نسل میں نبی آئے' رسول آئے' کتابیں نازل ہوئیں' ہدایت الٰہی کا سلسلہ جاری رہا' جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چلی اور جو فلسطین کے علاقے میں آباد ہوئی۔ حضرت اسحٰق نبی ہیں' ان کے بعد اُن کے بیٹے حضرت یعقوب نبی ہیں' ان کے بارہ بیٹوں میں سے حضرت یوسف نبی ہیں' علیہم السلام چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا لہٰذا اب یہ بنی اسرائیل کہلائے۔ اب نبوت و رسالت کا سلسلہ اسی نسل میں چلتا رہا۔ ان ہی میں حضرت موسیٰ ہیں' حضرت داؤد ہیں' حضرت سلیمان ہیں' علیہم السلام۔ ان ہی میں سے حضرت عزیر ہیں' حضرت زکریا ہیں' حضرت یحییٰ ہیں اور بے شمار نبیوں کا سلسلہ ہے جن کا ذکر تورات میں ہے۔ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام ـــــ اور اس سلسلہ کے آخری نبی و رسول ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو روح اللہ بھی کہا جاتا ہے۔

بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے موقع پر عرب میں عربوں کے یہ دو گروہ

عرب مستعربہ اور عرب عاربہ موجود تھے جو اپنے آپ کو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ وہ دین اور توحید سے بہت دُور جا چکے تھے۔ کہنے کو وہ کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو کار ہیں' لیکن بدترین شرک میں مبتلا تھے۔ بت پرستی' ستارہ پرستی اُن کے یہاں ہو رہی تھی' فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیا ہوا تھا' توحید کی کوئی رمق اُن میں باقی نہیں تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حج کے جو مناسک اُن کے یہاں چھوڑ گئے تھے اُن میں بھی ردوبدل کر لیا تھا۔ مادر زاد برہنہ ہو کر طواف کرنے کو بڑی نیکی کا کام سمجھ رہے تھے۔ نہ معلوم ان کے یہاں اور کیا کیا خرافات آگئی تھیں! عربوں کے یہ دو گروہ ہیں جن کو قرآن مجید کہتا ہے اُمیّین اور مشرکین۔

دوسرے مخاطبین : اہلِ کتاب

دوسرا گروہ جو قرآن حکیم کا مخاطب تھا وہ نسل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام سے چلی تھی جن کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے۔ یہ بھی آگے چل کر دو حصّوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے نبیوں کو تو مانتے تھے' لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے تھے۔ یہ یہود کہلائے۔ دوسرے وہ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان رکھتے تھے کہ آنجناب اللہ کے نبی و رسول تھے' البتہ ان کی اکثریت نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بھی قرار دے رکھا تھا' وہ نصاریٰ (عیسائی) کہلائی ـــــ یہ دونوں گروہ بھی عرب میں آباد تھے۔ یہود کے مدینہ میں تین قبیلے تھے۔ خیبر میں اِن یہود کا بہت بڑا گڑھ تھا' جبکہ نجران میں نصاریٰ آباد تھے۔

لہٰذا بعثتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے وقت عرب میں دو جماعتیں تھیں۔ ایک تو وہ جو دین سے بہت بعید تھی' جاہل تھی' ان کے پاس نہ شریعت تھی' نہ کوئی آسمانی کتاب اور یہ بدترین شرک میں مبتلا تھی۔ دوسری جماعت وہ تھی جن کے پاس آسمانی کتاب بھی تھی اگرچہ وہ کافی حد تک محرف ہو چکی تھی اور شریعت بھی تھی۔ ان کے یہاں علماء تھے' فضلاء تھے' مفتی تھے' قاضی تھے۔ ان کا سارے کا سارا نظام برقرار تھا۔ اسی طرح نصاریٰ تورات کو بھی مانتے تھے اور ان کے پاس انجیل بھی تھی' گو اُس میں بھی کافی

تحریف ہو چکی تھی۔ ان کے یہاں بھی بڑے بڑے علماء تھے' احبار بھی تھے اور رہبان بھی۔ ان دونوں طبقوں کو ذہن میں رکھیئے۔ اب اس پس منظر میں دعوتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے اسے سمجھئے!

دعوتِ محمدیؐ کی مخالفت

نبی اکرم ﷺ نے جب دعوت شروع کی اور آپؐ نے دیکھا کہ لوگ اس مطابقِ فطرت دعوت کو قبول نہیں کر رہے' ایمان نہیں لا رہے' مخالفت ہو رہی ہے' کشمکش ہو رہی ہے' مٹھی بھر جو سعید روحیں ایمان لے آئی ہیں اُن پر تشدد ہو رہا ہے' ان کو شدید ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے' حالانکہ اسی مکہ کے رہنے والے اجرائے وحی اور آغازِ دعوتِ توحید سے قبل آنحضور ﷺ سے انتہائی محبّت کرتے تھے اور آپؐ کو الصادق اور الامین کے القابات سے پکارتے تھے' وہ تو آپؐ کے قدموں تلے اپنی آنکھیں بچھاتے تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب آنحضور ﷺ نے دعوتِ توحید شروع کی تو وہی مکّہ والے جو جان چھڑکتے تھے' اب وہی خون کے پیاسے ہو گئے۔

بنوہاشم کی حمایت

ابو طالب کو نبی اکرم ﷺ سے نہایت محبّت تھی' طبعی اور قلبی محبّت۔ وہ اگرچہ ایمان نہیں لائے تھے لیکن اس محبّت کی وجہ سے آنحضور ﷺ کو ان کی حمایت حاصل تھی۔ ابو طالب چونکہ بنوہاشم کے قبیلہ کے سردار تھے لہٰذا قبائلی دستور کے مطابق پورا قبیلہ سردار کے ساتھ تھا۔ چنانچہ بنوہاشم کی حمایت حضور ﷺ کو حاصل تھی جو قریش کا سب سے بااثر قبیلہ تھا۔ اس لئے قریش کو نبی اکرم ﷺ کے خلاف کوئی براہِ راست اقدام کی جرأت نہیں ہوئی۔ قریش جانتے تھے کہ اگر ہم نے محمد (ﷺ) کو نقصان پہنچایا تو اس نظام کے تحت بنوہاشم کا پورا قبیلہ خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑا ہو گا' چاہے وہ قبیلہ ایمان نہ لایا ہو گا۔ اس طرح ایک خون ریز خانہ جنگی شروع ہو جائے گی جس کا وہ تحمل نہیں کر سکتے۔ پورے عرب میں ان کا رعب اور دبدبہ قریش کے تمام قبیلوں کے متحد ہونے کے سبب سے تھا۔ آپس کی جنگ ان کے لئے بڑی نازک صورت حال پیدا کر دیتی۔ قریش کو

اندیشہ تھا کہ اگر ہمارے مابین تفرقہ ہو گیا تو ہماری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اس لئے وہ آنحضور ﷺ کے خون کے پیاسے ہونے کے باوجود آپؐ کی جان لینے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے' لیکن مخالفت شدید تھی اور طرح طرح سے نبی اکرم ﷺ اور آپؐ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو تکلیفیں پہنچانے کا سلسلہ جاری تھا۔

اہل کتاب کی مخالفت

دوسری طرف دعوتِ توحید قبول کرنے کی توقع اہل کتاب سے ہو سکتی تھی کہ چلو قریش تو جاہل ہیں' اُن کے پاس کتاب نہیں' شریعت نہیں' وحی کا نور نہیں' لیکن اہل کتاب تو وہ لوگ ہیں جن کے پاس کتاب بھی ہے' شریعت بھی ہے' دین کا علم بھی ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی تھے جو نبی آخر الزمان ﷺ کے منتظر تھے' ان کی بعثت کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اللہ! تیرے آخری نبی کے ظہور کا وقت کب آئے گا۔ یہود کی جب اصل عربوں سے لڑائی ہوتی تھی تو وہ مار کھاتے تھے' پٹتے تھے۔ جیسے آپ کو معلوم ہے کہ سرمایہ دار تو مار کھاتا ہے' جس طرح ہندوستان میں مسلمان چاہے تھوڑے ہوتے تھے' اقلیت میں ہوتے تھے' لیکن جب فساد ہوتا تھا تو بنیا مار کھاتا تھا۔ یہی معاملہ یہودیوں کا ہوتا تھا' وہ طبعی طور پر بزدل تھے لہٰذا وہ مار کھاتے تھے۔ لیکن جب وہ پٹتے تھے تو کہا کرتے تھے کہ ٹھیک ہے' اس وقت تو ہم تم سے پٹ گئے ہیں' لیکن آخری نبی کے ظہور کا وقت قریب ہے' جب ہم ان کی زیر قیادت تم سے جنگ کریں گے تو تم ہم پر غالب نہیں آسکو گے ـــــ یثرب میں رہنے والے اوس و خزرج کے عرب قبائل کو بھی یہود یہی دھمکیاں دیا کرتے تھے ـــــ یہود کی یہی دھمکیاں (جس کو Irony of Fate کہیں گے) مدینہ والوں کے ایمان لانے میں سبقت کا ذریعہ بن گئیں۔ انہوں نے سن رکھا تھا کہ ہمارے یہاں یہود کے بڑے بڑی علماء ہیں' وہ یہ کہا کرتے ہیں کہ آخری نبی کے ظہور کا وقت ہے۔ لہٰذا جیسے ہی رات کی تاریکی میں مکّہ کی وادی عقبہ میں مدینے سے آئے ہوئے چھ اشخاص کی نبی اکرم ﷺ سے ملاقات ہوئی جہاں آپؐ تبلیغ کے لئے گشت فرما رہے تھے' تو آپؐ نے ان کے سامنے توحید پیش فرمائی' ان لوگوں نے ایک دوسرے کو کنکھیوں سے دیکھا کہ ہو نہ ہو یہ

وہی نبی ہیں جن کی بعثت کا یہود ذکر کیا کرتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے طے کیا کہ ہم سبقت کر کے آپؐ کے ہاتھ پر ایمان لے آئیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہودی سبقت کر جائیں۔ یہود کی دی ہوئی خبروں کے ذریعہ سے ان چھ حضرات کو تو ہدایت حاصل ہو گئی اور یہ ایمان لے آئے۔ لیکن یہود کے علماء کا حال وہ رہا جس کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے : ﴿یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ هُمْ﴾ یہ اگرچہ محمد (ﷺ) کو اور قرآن مجید کو اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں' لیکن اس کے باوجود آنحضور ﷺ کی دشمنی میں یہود سب سے آگے بڑھ گئے ـــــ وجہ یہ تھی کہ ان کا خیال تھا کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل میں سے مبعوث ہوں گے۔ اس لئے کہ ڈھائی ہزار برس سے نبوت ہمارے ہاں چلی آرہی ہے' یہ تار کبھی ٹوٹا ہی نہیں۔ لیکن ان کی توقع کے خلاف خاتم النبیّین و المرسلین کا ظہور بنی اسمٰعیل میں ہو گیا۔ یہ بات ان کے لئے بہت بڑی آزمائش بن گئی کہ ہم بنی اسمٰعیل کے ایک فرد کے آگے کیسے جھک جائیں! وہ تو اُمی قوم ہے' اَن پڑھ قوم ہے' ان میں دین نہیں' ان کے پاس کوئی علم نہیں' کہیں سے فارغ التحصیل نہیں' ان کے پاس کسی دار العلوم کی سند نہیں' ان کے پاس کسی صاحب علم کی جانب سے کوئی Testimonial نہیں ہم ان کو نبی کیسے مان لیں! ہم تو پھر بہت گھٹیا ہو جائیں گے' ہماری علمیت' ہماری سیادت' ہماری قیادت ختم ہو جائے گی۔ ان کا یہ استکبار اور پندار اُن کے قبولِ حق کی راہ میں آڑے آگیا۔

نبی اکرم ﷺ کی تشویش

اس پس منظر میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی دعوت کے نتیجے کو دیکھ کر کچھ تشویش میں ہیں کہ لوگ کیوں ایمان نہیں لا رہے! آخر انہیں کیا ہو گیا ہے! میری دعوت کتنی صاف اور سادہ ہے' کتنی مطابق فطرت ہے' انسان کی فطرت کی بدیہیات کو اپیل کرنے والی ہے ـــــ! پھر کیا وجہ ہے کہ لوگ ایمان نہیں لا رہے؟ اس پس منظر کو پیش نظر رکھئے اور اگلے حصے کو پڑھئے۔ فرمایا :

﴿كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ﴾ (الشوریٰ : ۱۳)

"اے محمد (ﷺ) بہت بھاری ہے مشرکین پر وہ چیز جس کی طرف آپؐ انہیں بلا رہے ہیں دعوت دے رہے ہیں۔"

آپ اسے سادہ بات سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ دعوت توحید ان کے رائج نظام کو درہم برہم اور تلپٹ کر دینے والی ہے' کیونکہ ان کا پورا نظام شرک پر قائم ہے' ان کے مفادات اس کے ساتھ وابستہ ہیں' ان کی چودھراہٹیں اسی مشرکانہ نظام کی رہین منت ہیں۔

مشرکانہ نظام سے وابستہ مفادات

اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ دعوتِ توحید ہزار مطابق فطرت ہو' لیکن اس کے جو لوازم' مقتضیات اور متضمنات ہیں ان کو وہ لوگ خوب سمجھتے ہیں جو مشرکانہ نظام میں قیادت و سیاست کے مناصب پر فائز ہوتے ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ اس دعوت توحید کی ان کے مفادات پر کہاں کہاں ضرب پڑتی ہے! دیکھئے اگر کسی بُت کا استھان ہے اور لوگ وہاں آ کر چڑھاوے چڑھاتے ہیں تو کیا وہ بُت کے پیٹ میں جاتے ہیں؟ وہ تو مجاوروں کے پیٹوں میں جاتے ہیں۔ وہاں کے جو پجاری اور Priests ہیں سارے چڑھاوے تو اُن کو مل رہے ہیں۔ کہنے کو وہ بُت پر چڑھاوا ہے۔ اسی طور پر جو چڑھاوے قبروں پر چڑھائے جاتے ہیں' ان کے متعلق آپ نے کبھی سوچا کہ وہ کہاں جاتے ہیں؟ وہ سب مجاوروں اور گدی نشینوں کے پاس جاتے ہیں۔ وہ تو جب سے محکمہ اوقاف قائم ہوا ہے تو ایسی درگاہوں پر مقفل صندوق رکھ دیئے گئے ہیں کہ نقد نذر و نیاز اُن میں ڈالی جائے۔ لیکن شاید آپ کو معلوم ہو کہ جب محکمہ اوقاف کا نظام زیر ترتیب تھا اسی دوران بڑی بڑی درگاہوں کے جو حضرات پشتی سجادہ نشین تھے' وہ ان زمینوں کو جو درگاہوں اور مقبروں کے نام وقف تھیں' اپنے ناموں پر منتقل کرا چکے تھے۔ گویا اصل دولت تو محکمہ اوقاف کے سرگرم عمل ہونے سے قبل ہی وہاں سے جا چکی تھی۔ یہ بڑے بڑے پیر جو بڑے بڑے زمیندار اور وڈیرے بنے نظر آتے ہیں' وہ کہاں سے بنے ہیں؟ انہی زمینوں کی بدولت بنے ہیں جو اُن مقبروں اور درگاہوں کے نام وقف کی گئی تھیں اور اب وہ ان کی ذاتی ملکیت بنی ہوئی ہیں ـــــ پس معلوم ہوا کہ شرک کا پورا نظام ہوتا ہی ہے مفادات کا ـــــ اس نظام میں تو صرف اوپر کی دکھاوے کی چیزیں ہوتی ہیں کہ یہ منادر و مقابر ہیں ـــــ یہ دیوتاؤں اور دیویوں کے بُت ہیں' یہ اولیاء اللہ کی قبور ہیں۔ اصل مقصد تو

ان ناموں' ان استھانوں اور ان درگاہوں کی آڑ میں قیادت و سیادت اور حصول دولت ہوتا ہے۔ سومنات کے مندر کے اندر جو دولت تھی وہ کس کی ملکیت تھی؟ وہاں کے پجاریوں کی ملکیت تھی! لہٰذا مشرکین کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ نظامِ توحید قائم و نافذ ہو۔

آیت کے اس حصّہ کے بین السطور نبی اکرم ﷺ کو تسلی و تشفی دی جا رہی ہے کہ اے نبی (ﷺ)! ٹھیک ہے کہ آپؐ جو دعوت دے رہے ہیں وہ فطرت کے مطابق اور بالکل سیدھی بات ہے ـــــ توحید سے بڑھ کر سیدھی بات اور کونسی ہو گی! توحید کے سوا مطابق فطرت بات کون سی ہو گی! توحید سے بڑھ کر مطابق عقل بات کون سی ہو گی! لیکن کسی بات کا مطابق فطرت و عقل ہونا اس کے قابل قبول ہونے کے لئے کافی نہیں۔ یہاں تو مسئلہ آتا ہے مفادات کا' چودھراہٹ کا' اس بات کا کہ مسند اور سجادہ محفوظ رہتا ہے کہ نہیں! وجاہت اور قیادت پر تو آنچ نہیں آ رہی! اور ظاہر بات ہے کہ دعوتِ توحید ان تمام بتوں کو' خواہ وہ مٹی اور پتھر کے ہوں' خواہ مفادات' قیادت' سیادت کے ہوں توڑ پھوڑ کر اور ملیامیٹ کر کے رکھ دیتی ہے۔ لہٰذا مشرکین پر یہ دعوت بہت بھاری ہے۔ یہ اُسے آسانی سے ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔ لہٰذا فرمایا :

﴿ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ﴾ (الشوریٰ : ١٣)

"مشرکین پر یہ چیز بہت بھاری ہے جس کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں۔"

اضطراب کا فطری سبب

ایک کریم اور شریف النفس انسان جبکہ رسالت کی ذمہ داری بھی اس کے سپرد ہو' یہ سوچتا ہے کہ کہیں میرے اندر تو کوئی نقص نہیں! لوگ جو ایمان نہیں لا رہے تو میری کوشش میں تو کوئی کمی نہیں! میری محنت میں تو کوئی کوتاہی نہیں! دعوت دینے کے میرے انداز میں تو کوئی خامی نہیں! انبیاء و رُسل علیہم السلام تو اس بارے میں بے نہایت تشویش میں مبتلا ہوتے ہیں کیونکہ اُن کو یہ ضابطہ الٰہی معلوم ہوتا ہے کہ : ﴿ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (الاعراف : ٦) "پس یہ لازماً ہو کر رہنا ہے کہ ہم ان

لوگوں سے باز پرس کریں گے کہ جن کی طرف ہم نے رسول بھیجے ہیں اور رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔" یعنی یہ کہ انہوں نے رسالت کے فرضِ منصبی کو کہاں تک اور کس طرح انجام دیا؟ لہٰذا حضور ﷺ کو یہ تشویش ہوتی تھی کہ کہیں میری کوئی کوتاہی نہ ہو جس کے باعث مجھے اللہ کے ہاں جواب دہی کرنی پڑ جائے۔

نبی اکرم ﷺ کی دلجوئی

قرآن مجید میں بار بار نبی اکرم ﷺ کو مختلف اسالیب سے جو تسلی دی گئی ہے اور آپ کی دلجوئی فرمائی گئی ہے وہ اسی لئے کہ آنحضور ﷺ لوگوں کے ایمان نہ لانے پر تشویش میں مبتلا ہو کر اپنی جان کو نہ گھلائیں : ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (الشعراء : ۳) (اے نبی!) شاید آپ رنج ' صدمے ' تشویش اور غم میں اپنی جان کھو دیں گے کہ یہ لوگ ایمان (کیوں) نہیں لاتے۔" حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ﴿ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ○ وَمَا اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ﴾ (الروم : ۵۲' ۵۳) "(اے نبیؐ!) آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے نہ بہروں تک اپنی دعوت ' اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں جو پیٹھ پھیر کر بھاگے جا رہے ہوں ' اور نہ ہی آپ اندھوں کو سیدھا راستہ بتا کر بھٹکنے سے بچا سکتے ہیں"۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ : ﴿ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ﴾ (البقرۃ : ۷) (ان کے کفر پر اڑے رہنے کے باعث) اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے ' ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔" بظاہر یہ چلتے پھرتے نظر آ رہے ہیں ' لیکن حقیقت میں یہ مر چکے ہیں۔ ان کی معنوی موت واقع ہو چکی ہے۔ بظاہر ان کے پاس سماعت بھی ہے ' بصارت بھی ہے ' لیکن معنوی اعتبار سے یہ بہرے اور اندھے ہیں۔ یہ چلتے پھرتے مقبرے ہیں ' چلتے پھرتے حیوانات ہیں۔ ان کے اندر کا انسان مر چکا ہے ـــــ آپ کی تبلیغ و دعوت میں کوئی کمی نہیں ہے ' لہٰذا آپ تشویش نہ کریں ' آپ یہ فکر دامن گیر نہ کریں کہ یہ ایمان کیوں نہیں لا رہے!!

اس آیت مبارکہ کے آخری حصے میں علمی اعتبار سے ایک اہم مضمون آ رہا ہے۔

جسے ذہن نشین کرنا ضروری ہے :

﴿ اَللّٰهُ يَجْتَبِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ○ ﴾

(الشوریٰ : ۱۳)

"اللہ ہی کھینچ لیتا ہے اپنی طرف جسے چاہتا ہے' اور ہدایت دیتا ہے اپنی جانب اس کو جو اُس کی طرف رجوع کرتا ہے۔"

یہ بڑی اہم بات ہے۔ کسی شخص کے راہِ ہدایت پر آنے کے دو طریقے ہیں۔ یہ مختلف طبائع اور مزاج کی بات ہو رہی ہے۔ بعض لوگوں کو تو اللہ ہی فیصلہ کر کے اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور بعض لوگ محنت' کوشش کر کے اور رجوع کر کے اللہ کے راستے کی طرف آتے ہیں۔

اجتباء

اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان یہ بھی ہے کہ وہ چاہے تو کسی راہ چلتے کو بلا لے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدین سے مصر جا رہے تھے کہ راستہ ہی سے کھینچ بلایا اور کوہ طور پر نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا۔ آپؑ سے کلام فرمایا : ﴿ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴾ وہ کلیم اللہ ہو گئے۔ حضرت عمر گھر سے ننگی تلوار لے کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے پختہ ارادے سے نکلے تھے' لیکن راستہ ہی سے اُن کا رخ اپنی ہمشیرہ کے گھر کی طرف پھیرنے کے اسباب پیدا فرما دیئے' جو خود اور ان کے شوہر حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما ایمان لا چکے تھے۔ بہن کی عزیمت دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دل موم ہوا۔ کلامِ الٰہی سننے کی خواہش کی اور سن کر دل کی کایا پلٹ گئی' حجابات دُور ہو گئے۔ وہی ننگی تلوار جو قتل کے ارادے سے لے کر گھر سے نکلے تھے' غلاموں کی طرح گلے میں ڈال کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہو کر جاں نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل ہو گئے۔ دربارِ نبویؐ سے فاروق کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا بھی اجتباء ہوا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکّہ میں دعوتِ توحید دیتے ہوئے چھ سال بیت گئے تھے۔ آپؐ کی شدید مخالفت ہو رہی تھی' لیکن حمزہ اِن سب سے بے نیاز اپنے مشاغل میں لگے رہتے تھے' جن میں نمایاں شوق تیر کمان لے کر علی الصبح شکار کو نکل

جانااور شام کوواپس آناتھا۔ ایک شام جب واپس آئے تولونڈی نے اس زیادتی کاماجرا سنایاجواس روزابوجہل نے آنحضورﷺ کے ساتھ کی تھی۔ قرابت داری کے جذبے نے جوش کھایا۔ پہلے توجاکر کمان سے ابوجہل کا سرپھاڑااور کہالومیں بھی محمد (ﷺ) پر ایمان لاتاہوں' پھر حضورؐ کی خدمت میں آکرفی الواقع مشرف باسلام ہوئے۔ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَاَرْضَاهُ۔ اسداللہ واسدرسولہ اور سیدالشہداء کے القاب سے ملقب ہوئے۔

انابت

دوسری قسم کے لوگ خود ہدایت کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتاہے کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ جوہدایت کاطالب ہے اسے ہم ہدایت دیں گے۔ اس نے توگویاہم پر اپناحق قائم کردیا۔ اس لئے کہ وہ خودطالب ہدایت ہے۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (العنکبوت : ۶۹) جولوگ ہمارے لئے محنتیں کریں' کوشش کریں' ہدایت کے طالب بنیں' اِس کے لئے قربانیاں دیں ان کے لئے ہمارا پختہ وعدہ ہے کہ ہم انہیں لازماً اپنے راستہ کی ہدایت دیں گے ـــــ یہی بات یہاں فرمائی کہ ﴿ وَيَهْدِيْ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴾ "اللہ ہدایت دیتا ہے اپنی جانب اس کو جو اُس کی طرف رجوع کرتاہے" جوبھی حق کاطالب اور متلاشی ہے' جس کے دل میں بھی انابت ہے' جس میں حق کی طلب صادق ہے' جوکسی تعصب اور عصبیت میں مبتلا نہیں ہے اسے اللہ تعالیٰ راہِ ہدایت دکھاتاہے اور اس پر اس کو لے آتاہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کی درخشاں مثال ہیں۔ وہ اپنی فطرت سلیمہ اور طلب حق کی بنیاد پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام ارفع پر فائز ہوئے۔ عشرہ مبشرہ میں اکثروہی حضراتِ گرامی شامل ہیں جو راہِ حق کے ازخودجویا تھے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں جو طلب حق میں کہاں سے روانہ ہوئے' کن کن منازل پر ٹھہرے اور پھر کس طرح دامنِ محمدیؐ سے وابستہ ہوئے! یہ انابت الی اللہ کی درخشاں مثالیں ہیں۔

(جاری ہے)

تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کے ملتزم رفقاء کا چار روزہ تربیتی و مشاورتی اجلاس ــــــ ایک مختصر جائزہ

مرتب : عمر مظفر' جنرل سیکرٹری تنظیم اسلامی شمالی امریکہ

تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ (TINA) کی روایت رہی ہے کہ وہ ہر سال اپنا سالانہ اجلاس (کانفرنس) منعقد کرتی ہے۔ گزشتہ سالانہ کانفرنسیں ملک کے مختلف مقامات پر منعقد ہوتی رہی ہیں اور اُن کی ترتیب اور موضوع تنظیم کی ضروریات کے مطابق تبدیل ہوتا رہا ہے۔

اس سلسلے کی پہلی کانفرنس ۱۹۹۵ء میں کولمبس اوہیو (Ohio) میں اس وقت جبکہ اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکہ (ISNA) کا سالانہ اجتماع بھی ساتھ ہی ہو رہا تھا' ہفتہ یومِ مزدوراں کے دوران منعقد کی گئی۔ دوسری کانفرنس کا انعقاد ۱۹۹۶ء میں مسلم سنٹر آف نیویارک میں ہوا' جس میں مختلف مسلمان رہنماؤں کو خطاب کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ ایک طرح کی "ٹاؤن میٹنگ" تھی۔

تیسری کانفرنس ۱۹۹۷ء میں اسلامک سنٹر آف گریٹر ہوسٹن کے مقام پر منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں کچھ یہودی اور عیسائی عالموں کو بھی مدعو کیا گیا تھا تاکہ وہ "زمین پر خدا کی بادشاہت" کے حوالے سے اپنے نظریات اور عقائد پر روشنی ڈالیں۔

اگلی کانفرنس ۱۹۹۸ء میں سانتا کلاز میں منعقد ہوئی' جس میں ترتیب تو وہی رہی لیکن اس کانفرنس کا عنوان "قرآن کا تصورِ انصاف" تھا۔ ۱۹۹۹ء میں اسلامک فاؤنڈیشن آف شکاگو میں ہونے والی کانفرنس جس کا عنوان "اندھیروں سے اجالوں کی طرف ــــــ قرآن کی پکار" تھا' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اگرچہ پہلی کانفرنس میں زیادہ تر آئندہ کی منصوبہ بندی زیرِ غور رہی تاہم بعد کی کانفرنسیں اکثر ان نکات پر مرکوز رہیں :

① تنظیمی امور کے بارے میں مشاورت
② رفقاء کی باہم ملاقات
③ دعوتی و تربیتی پروگرام
④ تنظیم میں شمولیت کی دعوت
⑤ انتظامی امور کی انجام دہی

ہر کانفرنس الحمد للہ نتیجہ خیز اور اگلی کانفرنس کے لئے تجربہ کی حامل تھی، لیکن اس سال ۴ جولائی ۲۰۰۰ء کے اختتامِ ہفتہ پر پرنسٹن (نیو جرسی) میں ہونے والی کانفرنس میں تنظیم اسلامی شمالی امریکہ ایک نیا رخ اختیار کرتی نظر آتی ہے جس کی اسے ضرورت بھی تھی۔ پاکستان میں ہونے والے سالانہ اجلاس کی طرح اگرچہ اس کانفرنس کا مقصد بھی مشاورت اور تربیت تھا اور اس کانفرنس میں بلاشبہ وہ مقاصد بھی شامل تھے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، لیکن یہ کانفرنس دو لحاظ سے پچھلی کانفرنسوں سے مختلف تھی۔

اولاً اس کانفرنس میں شرکاء کی تعداد محدود تھی۔ اس سے پہلے TINA کے تمام رفقاء کا شامل ہونا ضروری تھا، چاہے وہ مبتدی ہوں یا ملتزم، لیکن اس دفعہ ماسوائے چند مبتدی رفقاء کے صرف ملتزم رفقاء کو شامل ہونے کی اجازت تھی، چنانچہ اس مرتبہ تنظیم کی دعوت پروگرام میں شامل نہیں تھی۔

ثانیاً اس کانفرنس کا اصل محور مشاورت و تربیت تھا۔ تاکہ ہم خود احتسابی کے عمل سے گزرتے ہوئے یہ دیکھیں کہ TINA نے اب تک کیا کیا ہے، اب کہاں ہے اور کس طرف جا رہی ہے اور ہمیں اس ضمن میں کیا کرنا ہے؟ چنانچہ سوائے بعض انتظامی نوعیت کی ہدایات کے کسی قسم کی تقاریر کا پہلے سے انتظام نہیں کیا گیا تھا، خود امیر تنظیم اسلامی جناب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی ایک سامع کی حیثیت سے اجلاس کی صدارت کی، جس میں رفقاء نے باری باری اپنے خیالات پیش کئے۔

تربیت کے حوالے سے اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ رفقاء کی قرآن کے منتخب نصاب کے ذریعے دوبارہ تربیت کی جائے اور انہیں دوبارہ یاد دہانی کرائی جائے کہ ایک مسلمان کی حیثیت

سے ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں اور اُن ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ہمیں کیسے منظم ہو کر کام کرنا ہے۔

آغاز سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ ایک کامیاب کانفرنس ثابت ہوگی۔ جناب نصر شریف کی قیادت میں نیوجرسی کے رفقاء نے ایک "انٹرنیٹ ویب سائیٹ" (Internet Website) ڈیزائن کی تھی جسے ابتدائی طور پر رجسٹریشن اور کچھ اہم اعلانات کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس سے رجسٹریشن اور فارم وغیرہ پُر کرنے کا عمل صرف ۱۰ منٹ میں مکمل ہو سکتا تھا۔ کانفرنس کا انعقاد نووٹل ہوٹل (Novotel Hotel) پرنسٹن' نیوجرسی میں ہوا۔ انتظامات نہایت عمدہ تھے۔ ہوٹل میں ملک کے مختلف حصوں سے آنے والے رفقاء کے لئے مل جل کر ٹھہرنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔

کانفرنس میں اجتماع کی کارروائی

کانفرنس کا آغاز تلاوتِ کلام پاک سے ہوا۔ نائب امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے سورۃ الصف کی آیات کی تلاوت کا شرف حاصل کیا۔

کانفرنس کے چیئرمین اور سنٹرل نیوجرسی تنظیم کے امیر ڈاکٹر نصر شریف نے اپنے ابتدائی خطاب میں تمام حاضرین کو خوش آمدید کہا اور ان تمام افراد کی کوششوں کو سراہا جن کی بدولت اس کانفرنس کا انعقاد عمل میں آسکا۔ انہوں نے اس کانفرنس کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ خیالات کو پیش کرنے میں صلاحیتوں کا بڑا گہرا عمل دخل ہوتا ہے۔ انہوں نے ایک شخص کی کہانی بیان کی جس نے خواب دیکھا کہ اس کے تمام دانت گر گئے ہیں۔ اس خواب کا مطلب جاننے کے لئے وہ ایک عامل کے پاس گیا' جس نے بتایا کہ اس خواب کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سارے عزیز مر جائیں گے۔ اس شخص کی تسلی نہ ہوئی اور وہ کسی دوسرے عامل کے پاس گیا' اس نے بتایا کہ وہ اپنے تمام عزیزوں سے لمبی عمر پائے گا۔ اس پر وہ مطمئن ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اپنے خیالات بہتر طریقے سے بھی دوسروں تک پہنچائے جاسکتے ہیں۔

کانفرنس کے وائس چیئرمین اور ساؤتھ نیوجرسی تنظیم کے امیر برادر حسن بیگ نے ڈاکٹر نصر شریف کے خیالات کو آگے بڑھاتے ہوئے تنظیم کا موازنہ لیزر لائیٹ سے کیا' جس طرح لیزر کی روشنی کا ہر ذرہ ساتھ والے ذرے کو تقویت دیتا ہے اسی طرح تنظیم کا ہر رفیق ایک دوسرے کے

لئے تقویت کا باعث ہے۔

لانگ آئی لینڈ نیو یارک کے رفیق اور کانفرنس کے وائس چیئرمین برادر عرفان اقبال نے اس کانفرنس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بتایا کہ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امریکہ میں بھی نومبر ۱۹۹۹ء میں پاکستان میں منعقد ہونے والے تنظیم اسلامی کے سالانہ اجتماع کے طرز پر ایک کانفرنس کا انعقاد چاہتے تھے۔ لہٰذا یہ کانفرنس اسی کی روشنی میں منعقد کی جارہی ہے۔

TINA کے امیر برادر عطاء الرحمٰن نے سورۃ الصف کی آیت ۸ اور ۹ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنے ماضی اور حال سے باخبر رہنا چاہئے۔ انہوں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے اس خط کا بھی ذکر کیا جس میں محترم ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا تھا کہ ہمیں ماضی کی غلطیوں کے ازالہ کے لئے تنظیمی معاملات اور پالیسیوں کا از سر نو جائزہ لے کر انہیں قابل عمل بنانا چاہئے۔ انہوں نے یاددہانی کرائی کہ ہمیں مسائل کے حقیقی اور واضح حل کی ضرورت ہے۔

برادر عطاء الرحمٰن نے حاضرین کی توجہ اس امر کی طرف بھی دلائی کہ کچھ معاملات میں TINA میں نظم و ضبط کا فقدان ہے۔ کچھ رفقاء کے درمیان کھچاؤ کی سی کیفیت بھی موجود ہے۔ انہوں نے کہا کہ بشری تقاضوں کے عین مطابق کچھ معاملات میں اختلاف رائے ہونا ایک فطری عمل ہے' لیکن ہمیں تمام اختلافات ختم کر کے ایک مشترک فرض کی ادائیگی کرنی چاہئے۔ اس ضمن میں انہوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا کہ جب انہیں فلسطین میں مسلمان فوج کی قیادت سے سبکدوش کیا گیا تو اگرچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے پر متفق نہیں تھے لیکن ان کے پیش نظر چونکہ صرف اللہ کی رضاجوئی تھی۔ لہٰذا انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کو قبول کر لیا اور فوج کی قیادت سے سبکدوش ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں دیگر دوسرے رفقاء کی آراء کا احترام کرنا چاہئے اور اختلاف کی صورت میں متعلقہ نقیب یا امیر کے پاس جانا چاہئے' بجائے اس کے کہ ہر معاملے میں امیر تنظیم اسلامی سے رجوع کریں۔ انہوں نے سورۃ الصف کی آیت نمبر ۴ کا حوالہ دیا اور کہا کہ ہمیں اس مشین کی طرح کام کرنا چاہیے جو کسی خرابی کی صورت میں اپنے آپ کو خود صحیح کر لیتی ہے۔

ایگزیکٹو بورڈ کے ڈائریکٹرز نے اپنی اپنی رپورٹ پیش کی' اس اعتبار سے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تنظیم کا صرف ۱/۵ حصہ حرکت میں ہے تاہم جیسا کہ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے بھی اپنے خط میں ذکر کیا تھا' آہستہ آہستہ یہ تعداد بڑھ رہی ہے۔

ان ابتدائی تقاریر کے بعد امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اس کانفرنس کے انعقاد کی ضرورت بیان کی۔ انہوں نے اپنے خطاب کا آغاز سورۃ الحجرات کی ایک آیت مبارکہ سے کیا اور بتایا کہ جب انہیں اس قسم کی کانفرنس کا خیال آیا تو ان کے ذہن میں دو مسئلے تھے' یعنی

ا۔ ہمیں اپنے آپ کو نئے سرے سے متحرک کرنے کی ضرورت ہے' بعض اوقات اصل منزل نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات رخ صحیح نہیں رہتا' چنانچہ ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ آیا ہم درست سمت کی طرف جا رہے ہیں' اگر ہم محسوس کریں کہ ہماری سمت تبدیل ہو گئی ہے تو ہمیں فوراً اپنی اصلاح کر لینی چاہئے۔

۲۔ میری زندگی میں تو TINA پاکستان کی تنظیم اسلامی کے ساتھ کہ جسے mother organization کا مقام حاصل ہے' منسلک ہے اور تنظیم اسلامی پاکستان کے امیر کے ہاتھ پر TINA کے ارکان نے بھی بیعت کی ہے لیکن کیا میرے بعد بھی یہ صورت اسی طرح برقرار رہے گی یا بعد میں اس کا نظم بالکل جدا ہونا چاہئے؟ مولانا مودودیؒ کبھی داعی کے طور پر امریکہ نہیں آئے تھے' وہ صرف بطور لیکچرار یہاں آتے رہے۔ ان کا فکر امریکہ میں پہلے سے موجود تھا' اسی پر ایک بہت بڑی تحریک شروع ہو گئی۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کچھ رفقاء کے درمیان پائے گئے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ اختلافات اب ختم ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اب اُسے بھول جانا چاہئے ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے بارے میں انہوں نے کہا کہ وہ بار بار امریکہ نہیں آسکیں گے کیونکہ انہوں نے اب لندن میں ایک اسلامک سنٹر کے ڈائریکٹر کا عہدہ قبول کر لیا ہے۔

امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ تنظیم اسلامی واحد اسلامی جماعت نہیں ہے' اور بھی کئی جماعتیں کام کر رہی ہیں' ہمارے سامنے تنظیم کا خصوصی ہدف رہنا چاہئے۔ مولانا مودودیؒ نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ "میرا مقصد صرف یہ ہے کہ زمین پر اللہ کا دین قائم ہو جائے اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے"۔ چنانچہ ہمیں بعض بنیادی نکات کے معاملے میں بالکل واضح ہونا چاہئے۔

(ا) دعوت صرف قرآن کی دی جائے۔ ہمیں لوگوں کے جذبات کو نہیں ان کے ذہنوں کو اپیل کرنا ہے۔

(۲) ہمیں اپنا طریق کار سیرتِ نبویؐ سے اخذ کرنا ہے' اگر کوئی معاملہ اُس دور کے حالات سے مختلف ہو تو صرف اس پر الگ سے غور کیا جا سکتا ہے۔

بیعت کے نظام کے بارے میں امیر محترم نے کہا کہ اگرچہ اسلام کی رو سے یہ ایک بہترین نظام ہے تاہم شمالی امریکہ کے لئے اس پر نظرثانی کی جاسکتی ہے۔

کانفرنس کا ایجنڈا

کانفرنس کے ایجنڈے میں مندرجہ ذیل نکات شامل تھے :

(۱) تنظیم اسلامی کے مقاصد اور اہداف

(۲) تنظیم اسلامی شمالی امریکہ اور تنظیم اسلامی پاکستان کے مابین تعلق۔

(۳) TINA میں بیعت کا نظام۔

(۴) TINA کے نئے امیر کا تقرر۔

(۵) TINA میں رفیقات کا کردار۔

(۶) TINA کے ارکان کا سودی لین دین کے بارے میں کردار۔

(۷) امریکہ کی سیاست میں TINA کا کردار۔

① رفقاء تنظیم اسلامی پاکستان کے نام ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ۱۳ تا ۱۷/۱ اکتوبر ۱۹۹۹ء کے ندائے خلافت میں شائع ہونے والے خط کا انگریزی ترجمہ TINA کے رفقاء کو بھی برائے مطالعہ ارسال کیا گیا تھا۔ یہ خط بھی تنظیم کے مقاصد اور اہداف کے ایک بھرپور جائزے پر مشتمل تھا۔ اس کے مندرجات کے بارے میں شاید ہی کسی کو اختلاف تھا۔ چنانچہ اس پر اتفاق ظاہر کیا گیا کہ چند چھوٹی چھوٹی ترامیم کے ساتھ اس خط کے مندرجات کو تنظیم اسلامی کے مقاصد کے طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ یہ دو نکات کہ ہمارا محور و مرکز قرآن ہے اور ہمارا طریقہ کار سیرتِ رسولؐ سے ماخذ ہے ہمیشہ کے لئے طے ہیں۔

② تنظیم اسلامی شمالی امریکہ (TINA) اور تنظیم اسلامی پاکستان کے درمیان تعلق کے حوالے سے بھی کئی آراء موصول ہوئیں۔ اکثر رفقاء کا خیال تھا کہ ہم ایک ہی وحدت ہیں اور ہمیں ایک ہی وحدت رہنا چاہئے' تاہم ایک رائے یہ بھی تھی کہ پاکستان میں قائم مرکز چونکہ بیرونِ ملک بالخصوص امریکہ اور انڈیا کے باشندوں کو صحیح طور پر ہینڈل نہیں کر سکتا لہٰذا TINA کو ایک الگ تنظیم رہنے دیا جائے۔ لیکن رفقاء کی غالب اکثریت کی تجویز پر تنظیم اسلامی شمالی امریکہ کو تنظیم اسلامی پاکستان ہی کا حصہ قرار دے دیا گیا۔ یعنی TINA تنظیم اسلامی پاکستان ہی کے تحت کام

کرے گی۔

③ TINA میں بیعت کے طریق کار کے حوالے سے بھی مختلف آراء موصول ہوئیں۔ کچھ رفقاء اس بات کے حق میں تھے کہ شخصی بیعت کے بجائے دستوری بیعت بھی کافی ہے۔ جبکہ رفقاء کی اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ دستوری یا کاغذی بیعت کے بجائے شخصی یا ذاتی بیعت ضروری ہے۔ اس ضمن میں دوسرا قابل غور نکتہ یہ تھا کہ بیعتِ بالکل ابتداء میں لی جانی چاہئے یا کوئی دوسری صورت اختیار کی جائے۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے مطلع کیا کہ پاکستان میں اب بیعت کے دو مرحلے ہیں۔ پہلی بیعت تو اللہ کے ساتھ عہد بندگی استوار کرنے اور اس کی راہ میں جان و مال کھپانے پر مشتمل ہے جبکہ دوسری بیعت جس میں سمع و طاعت کا عہد ہوتا ہے' اس وقت ہوتی ہے جب رفیق ملتزم بن جاتا ہے۔ مختلف آراء موصول ہوتی رہیں اور اس معاملے کو اسی ہفتے ہونے والی شوریٰ کی میٹنگ میں بھی زیر بحث لایا گیا۔ شوریٰ کے اراکین نے تین مراحل پر مشتمل نظام کے حق میں رائے دی' پہلا مرحلہ ایسوسی ایٹ ممبر کا ہے' اس پر کوئی تنظیمی ذمہ داری نہیں ہوگی لیکن وہ TINA کے پروگرام attend کرے گا۔ دوسرے مرحلے میں ابتدائی بیعت لی جائے گی اور ایسا شخص مبتدی رفیق شمار ہوگا اور تیسرے اور آخری مرحلے میں بیعت سمع و طاعت کرنے پر کوئی رفیق ملتزم قرار پائے گا۔ یہ بات بھی نوٹ کی گئی کہ بیعت کے اس طریقے سے امریکی مسلمانوں کے لئے اس تحریک میں شامل ہونا آسان ہو جائے گا۔

④ اجلاس کے دوران ہی تمام رفقاء کو فارم تقسیم کئے گئے تھے کہ وہ TINA کا نیا امیر منتخب کرنے کے لئے اپنی تجاویز دیں۔ ان فارموں کے جائزہ کے بعد امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بردار ظفر خان کو TINA کا نیا امیر مقرر کیا۔ اس وقت برادر ظفر خان نیویارک سٹی تنظیم کے امیر ہیں اور نیویارک ریجن کے ڈائریکٹر بھی ہیں۔ وہ برادر عطاء الرحمٰن کی جگہ یہ عہدہ سنبھالیں گے جو ۱۹۹۰ء میں TINA کے آغاز کے وقت سے ہی اس کے امیر چلے آ رہے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے عطاء الرحمٰن صاحب کو TINA کا ایگزیکٹو ڈائریکٹر مقرر کیا۔ یہ عہدہ تنظیم میں چیف آرگنائیزر کے عہدے کا نیا نام ہے۔ جس پر امیر تنظیم اسلامی کی طرف سے تقرری کی جاتی ہے۔

⑤ ایک اہم موضوع TINA میں رفیقات کے نظم کا تھا۔ TINA میں اس حوالے سے خاصا "confusion" رہا ہے کہ مقامی ناظمات آگے تنظیم اسلامی کی ناظمہ کو رپورٹ کریں یا امیر تنظیم اسلامی کی گزشتہ ہدایت کے مطابق تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ کے امیر کو رپورٹ کریں گی۔ اس

معاملے میں مختلف آراء پیش کی گئیں۔ ان تمام تجاویز کا باریک بینی سے جائزہ لیا گیا جس کے بعد امیر محترم نے فیصلہ کیا کہ مقامی ناظمات اسی علاقہ کے لوکل امیر کو رپورٹ کریں گی جس کا کوئی مناسب طریق کار بعد میں واضح کر لیا جائے گا۔

(۶) TINA کے ان رفقاء کے بارے میں جاننے سے پہلے جو سودی معاشرے میں رہتے ہوئے سودی معاملات چلانے میں مجبور ہیں' یہ جاننا ضروری ہے کہ سب رفقاء اس بات پر متفق ہیں کہ ربا میں سادہ جدید سود شامل ہے۔ اس موضوع کو کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل کرنے کی اصل وجہ شریعہ سکالرز ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ (SSANA) کے حالیہ اجلاس میں دیئے گئے بعض فتوے تھے۔ اس کانفرنس میں شامل کچھ مذہبی رہنما اس خیال کے حامی تھے کہ ہر قسم کا سودی لین دین حرام ہے جبکہ بعض علماء کا خیال تھا کہ کسی غیر اسلامی ملک میں اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ بعض ''نظریہ ضرورت'' کے قائل نظر آتے تھے۔ TINA میں بہت کم ایسے ملتزم رفقاء ہیں جو ربا میں ملوث ہیں۔ لیکن آیا مستقبل میں تنظیم میں شامل ہونے والے رفقاء مذکورہ فتویٰ کے حوالے سے سود پر گھر وغیرہ خرید سکتے ہیں یا نہیں' اس بارے میں ایگزیکٹو بورڈ کی میٹنگ میں کیے گئے فیصلہ کا تفصیلی ذکر بعد میں اسی رپورٹ میں آئے گا۔

ایک اور اہم پہلو جو اس کانفرنس میں زیر بحث آیا وہ TINA کے لئے ایک مستقل اور ہمہ وقتی دفتر کے لئے کسی عمارت کا تھا۔ یہاں بھی متفرق آراء موصول ہوئیں۔ یہ آراء تنظیم کے دفتر اور اس کی ضرورت کے بارے میں تھیں۔ امیر محترم نے فیصلہ کیا کہ ایسی ایک عمارت فوری طور پر خرید لی جائے' ضروری نہیں کہ یہ عمارت اس علاقے میں ہو جہاں رفقاء کی زیادہ تعداد ہے' بلکہ یہ کہیں بھی ہو سکتی ہے۔ اگر نیویارک میں بھی دفتر کی ضرورت ہے تو فی الحال کرایہ پر اور بعد میں قیمتاً حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(۷) اس کانفرنس کے ایجنڈے کا اگلا موضوع یہ تھا کہ آیا تنظیم اسلامی نارتھ امریکہ (TINA) کو امریکہ کی سیاست میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں۔ یہ موضوع بھی SSANA کانفرنس کے اجلاس میں زیر بحث آ چکا تھا جہاں تمام مذہبی رہنما اس بات پر تو متفق تھے کہ مسلمانوں کو جس معاشرے میں وہ رہتے ہیں' اسے بہتر بنانے کے لئے کام کرنا چاہئے' لیکن ان میں سے کوئی بھی امریکی نظام کے تحت عملی سیاست میں حصہ لینے کے حق میں نہ تھا۔ TINA کانفرنس میں اس موضوع پر مختلف آراء موصول ہوئیں۔ اگرچہ ان میں سے اکثر سیاست میں حصہ لینے کے خلاف تھیں لیکن یہ تجویز بھی

موصول ہوئی کہ چونکہ ہمارے ٹیکسوں کو یہاں استعمال کیا جاتا ہے' لہٰذا ہمیں سیاست میں حصہ لینا چاہئے تاکہ ہم ٹیکس کے نظام پر کچھ نہ کچھ قابو پا سکیں۔ امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے فیصلہ کیا کہ اگرچہ سیاست دین کا حصہ ہے' لیکن عملی اور انتخابی سیاست میں حصہ لینا تنظیم اسلامی کی پالیسی کے خلاف ہے۔ ہماری سیاست' انقلابی سیاست ہے' تاہم ہمیں سیاسی رہنماؤں کو حق کی تلقین کرتے رہنا چاہئے۔

دیگر اہم موضوعات جو زیر بحث آئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ امیر محترم نے فرمایا کہ وہ TINA کے بعض اہم رفقاء کی اس رائے کے حق میں ہیں کہ نائب امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید کو ایک سال کے لئے امریکہ بھیجا جائے تاکہ وہ یہاں کی کسی نمایاں یونیورسٹی میں بھی ایم اے کر لیں جس کا فائدہ یہ ہو گا کہ وہ نہ صرف جدید مکاتب فکر سے براہ راست واقف ہو جائیں گے بلکہ یہاں رہ کر ان کے لئے اپنی انگریزی کو بہتر بنانا بھی ممکن ہو گا مگر اس کے لئے ابھی وقت کا تعین نہیں کیا گیا۔ مزید برآں امریکہ کے بعض اہم تعلیمی اداروں کی طرف سے موصول ہونے والے ان دعوت ناموں کے بارے میں غور کیا گیا جن میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد کو بطورِ visiting scholar خطاب کی دعوت دی گئی ہے لیکن فیصلہ کیا گیا کہ ان سے معذرت کر لی جائے' تاہم انہوں نے فرمایا کہ وہ نومبر ۲۰۰۰ء میں ہارٹ فورڈ سیمیناری (Hartford Seminary) میں دس روزہ پروگرام میں شرکت کی دعوت کے جواب میں امریکہ آنے پر رضامند ہوں گے۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے برادر عطاء الرحمٰن صاحب کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ وہ TINA کے ایک اہم جزو اور اس کے آرکیٹیکٹ ہیں۔ TINA کے تمام معاملات انہیں ازبر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ چند سال پہلے جب میں نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ میں اُس وقت تک امریکہ نہیں آؤں گا جب تک کوئی سینئر رکن ہمہ وقت یہاں میرے نائب کے طور پر ذمہ داری سنبھالنے کے لئے تیار نہ ہو تو صرف عطاء الرحمٰن صاحب ہی تھے جنہوں نے اپنی آدھی تنخواہ کے برابر وظیفے پر اس ذمہ داری کو نبھانا قبول کیا تھا۔ لہٰذا انہیں کسی نہ کسی اہم حیثیت میں مثلاً سیکرٹری جنرل کے طور پر TINA میں اپنا عملی کردار ادا کرتے رہنا چاہئے۔ اس موقع پر ایک نئی شوریٰ کے انتخاب کے علاوہ نئے ایگزیکٹو بورڈ کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔

برادر نصیرالدین محمود نے اپنے ایک مفصل لیکچر میں حکمت عملی سے متعلقہ امور کی دیکھ بھال کے بارے میں اپنے خیالات پیش کئے' اس سیمینار کا مقصد TINA کو بہتر بنانے کے طریقے تلاش کرنا

تھا۔ اگرچہ بہت سارے رفقاء اس کانفرنس کے دوران پروگراموں کی کثرت کے باعث تھکاوٹ کا شکار ہو چکے تھے' اس کے باوجود بھی انہوں نے اپنی دلچسپی برقرار رکھی اور خیال ظاہر کیا کہ آئندہ بھی ایسے سیمینار ہوتے رہنے چاہئیں۔

تنظیم کے ایگزیکٹو بورڈ کی از سرنو تشکیل کی گئی ہے۔ ماضی میں دو قسم کے عہدے تھے' یعنی امراء (علاقائی ناظمین) اور ناظم دعوت' ناظم مکتبہ' ناظم خط و کتابت وغیرہ' لیکن اب اصل توجہ منصوبوں پر ہو گی۔ چنانچہ علاقائی ناظمین کا عہدہ ختم کر کے انہیں مختلف منصوبوں کی تکمیل کی ذمہ داری سونپی گئی ہے جس کا مطلب ہے تنظیم میں بیوروکریسی کو پروان چڑھانے کی بجائے حرکت پر زور دیا جائے گا۔

آخر میں اجتماع کے بارے میں رفقاء کی آراء کا جائزہ لیا گیا۔ اکثریت نے بحیثیت مجموعی اجتماع کے انتظامات کو سراہا اور خیال ظاہر کیا کہ ہر کام سلیقے سے کیا گیا تھا' یہ عمل ان شاء اللہ جاری رہے گا۔

اے ہمارے رب! ہماری ان خدمات کو قبول فرما! صرف تو ہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب! ہمیں اور ہماری اولادوں کو اپنا سچا تابع فرمان بنا اور ہم سب کو اپنا سیدھا راستہ دکھا اور ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ بے شک آپ اور صرف آپ معاف کرنے والے' مہربان ہیں۔ آمین

ضرورت رشتہ

امریکہ میں مقیم لڑکے کے لئے امریکن نیشنلٹی کی حامل ۱۶'۱۷ سالہ مذہبی گھرانے کی لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ لڑکے کی تعلیم ایف ایس سی اور اپنا کاروبار ہے۔

رابطہ : مختار احمد' فلائٹ آپریشن' پی آئی اے' کراچی ایئرپورٹ' فون : 4588915

☆ ☆ ☆

اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانے کی اکیس سالہ بچی کیلئے جو بین الاقوامی یونیورسٹی میں اُصول الدین میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی ہے' تعلیم یافتہ خاندان سے دینی مزاج کا مناسب رشتہ درکار ہے۔ رابطہ : علی اصغر معرفت پی او بکس 1185' جی۔ پی۔ او' راولپنڈی

ظروف و احوال

ملکی' ملی اور بین الاقوامی حالات پر امیر تنظیم اسلامی کا تبصرہ

خطابات جمعہ (مسجد دار السلام لاہور) کے پریس ریلیز کے آئینے میں

☆ ☆ ☆

۱۸/ اگست کا خطاب جمعہ

علماء کے ایک طبقے کی طرف سے قیام پاکستان کی مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ انہیں ہندوؤں کے عزائم کا درست اندازہ نہیں تھا۔ جبکہ عام مسلمانوں کو قدم قدم پر ہندو کی متعصبانہ ذہنیت کے باعث نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے علمائے کرام کے بجائے مسلم لیگ کے علیحدہ ملک کے قیام کے موقف کی بھرپور حمایت کی' جس کے نتیجے میں پاکستان قائم ہو گیا۔ قیام پاکستان کے مخالف علماء کا اخلاص ہر قسم کے شک و شبہ سے بالاتر تھا' یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک موقع پر کہا تھا کہ پاکستان کی عزت سے اسلام کی عزت وابستہ ہے' اب اس کو مستحکم کرنا ہماری دینی ذمہ داری ہے' جبکہ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے بھی اپنے ایک خطاب کے دوران پاکستان کو مسجد سے تشبیہہ دیتے ہوئے اس کی حفاظت کو ایمان کا تقاضا قرار دیا تھا۔

ہمارا دین ہمیں ایک دوسرے سے اختلاف کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ اس لئے قیام پاکستان کے حوالے سے علماء کرام اور مسلمانوں کا یہ اختلاف کوئی گناہ نہیں تھا۔ لیکن ہم اس ملک میں اسلام نافذ نہ کر کے اللہ سے وعدہ خلافی کے عظیم گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں کیونکہ ہم نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اے اللہ! تو ہمیں انگریزوں اور ہندوؤں کی دہری غلامی سے نجات دلا دے اور ہمیں ایک علیحدہ خطہ عطا کر دے جہاں ہم تیرے دین کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے اس وعدہ میں خیانت کا ارتکاب کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دیتے رہے ہیں۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا دولخت ہونا اسی وعدہ خلافی پر ہماری سزا تھی تاکہ ہم سنبھل جائیں لیکن اگر ہم نے اب بھی اپنی روش ترک نہ کی تو ہو سکتا ہے کہ ۱۹۷۱ء جیسی کوئی اور سزا ہمیں بھگتنا پڑے جس کے آثار بھارت کے حالیہ عزائم سے صاف نظر آ رہے ہیں۔

۲۵/ اگست کا خطاب جمعہ

پاکستان کا اصل مسئلہ اسلام کی بحالی ہے' معیشت کی بحالی نہیں۔ پاکستان کا استحکام نفاذ اسلام

کے سوا کسی اور راستے سے ممکن نہیں۔ ماضی کی دوسری حکومتوں کی طرح ہماری موجودہ حکومت بھی پاکستان کو ڈیفالٹ ہونے سے بچانے کے لئے عالمی مالیاتی اداروں کے آگے جھکتی چلی آئی ہے لیکن اب آئی ایم ایف نے فتویٰ جاری کر دیا ہے کہ پاکستان ڈیفالٹ ہو چکا ہے اور موجودہ حکومت بھی بحالی معیشت میں ناکام ہو چکی ہے۔ ان حالات میں بھی اگر ہمارے حکمرانوں کو یہ سمجھ نہ آیا کہ پاکستان کی ترقی و خوشحالی کا راز اسلام سے وابستگی میں مضمر ہے تو ملک عزیز کبھی مستحکم نہیں ہو سکتا۔ پرویز مشرف اپنی سی ہر کوشش کر چکے' اب وہ ملک میں حقیقی اسلامی نظام قائم کر کے بھی دیکھ لیں۔ ان شاء اللہ حقیقی اسلام کے نفاذ کے بعد اس قوم سے وہ جیسی قربانی طلب کریں گے قوم پیچھے نہیں ہٹے گی۔ معیشت کی بحالی کا معاملہ ثانوی ہے لیکن اس کا معاملہ بھی دین اسلام پر عمل کرنے ہی سے حل ہو گا۔ چنانچہ حکومت کو چاہئے کہ اندرونی و بیرونی تمام قرضوں پر سود کے خاتمہ کا اعلان کر دے اور عالمی مالیاتی اداروں کو صاف بتا دے کہ ہمارے اللہ اور رسول نے سود سے منع کیا ہے لہٰذا ہم سود ادا نہیں کریں گے۔ اس کے سوا معیشت کی بحالی کا کوئی راستہ نہیں۔ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ہاتھ اپنے اثاثے بیچ کر قرضے ادا کرنے سے ملک بحال نہیں بے حال ہو گا۔

مسئلہ فلسطین کی تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ اس مسئلے میں امریکہ نے واضح طور پر اسرائیل نواز پالیسی اختیار کر لی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امریکی دباؤ کے باعث اب فلسطینیوں کی کمر قدرے جھک گئی ہے اور انہوں نے سابقہ موقف میں نرمی اختیار کرتے ہوئے یہ شرط رکھی ہے کہ اگر آئندہ ایک ماہ میں اس مسئلے کے حل کی کوئی راہ نکالی جائے تو وہ خود مختار فلسطین کے قیام کی طے شدہ تاریخ یعنی ۱۳ ستمبر کو ملتوی کر دیں گے۔ اسی طرح فلسطین کے ایک نمائندے نے یہ امید بھی ظاہر کی ہے کہ جلد ہی کیمپ ڈیوڈ طرز کے سہ فریقی مذاکرات جلد منعقد ہو سکتے ہیں۔ گویا فلسطینی اس معاملے میں شدید دباؤ کا شکار نظر آ رہے ہیں۔ تاہم یروشلم کے معاملے میں اگر فلسطینیوں نے کوئی لچک دکھائی تو یہ عالم اسلام اور دین کے ساتھ غداری کے مترادف ہو گا۔ امید ہے کہ فلسطینی یروشلم اور بیت المقدس سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گے۔ مشرق وسطیٰ کے حالات بڑی تیزی سے ان حالات کی طرف جا رہے ہیں جن کا احادیث میں تذکرہ ہے اور اب بڑی جنگ کے لئے بھٹی گرم ہو رہی ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ نیٹو کی افواج نے جرمنی سے اٹھ کر کوسوو کو اپنا اڈا بنا لیا ہے اور اس طرح وہ اب مشرق وسطیٰ سے زیادہ قریب ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو بھی اب خواب غفلت سے بیدار ہو کر اس معرکہ حق و باطل کے لئے اس انداز میں تیاری کرنی چاہئے جیسی تیاری کفر کی طاقتیں اسلام کو مٹانے کے لئے ایک عرصہ سے کر رہی ہیں۔

KHALID TRADERS

NATIONAL DISTRIBUTORS NTN BEARINGS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

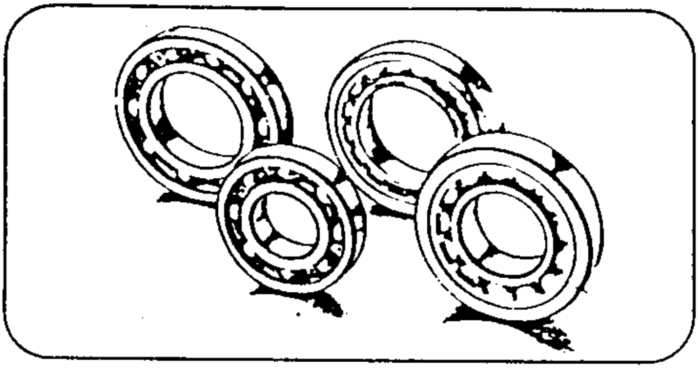

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.

G.P.O. Box # 1178 ***Phones*** : 7732952 - 7730595 ***Fax*** : 7734776 - 7735883

E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : ***SIND BEARING AGENCY***, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan) Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones: 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING